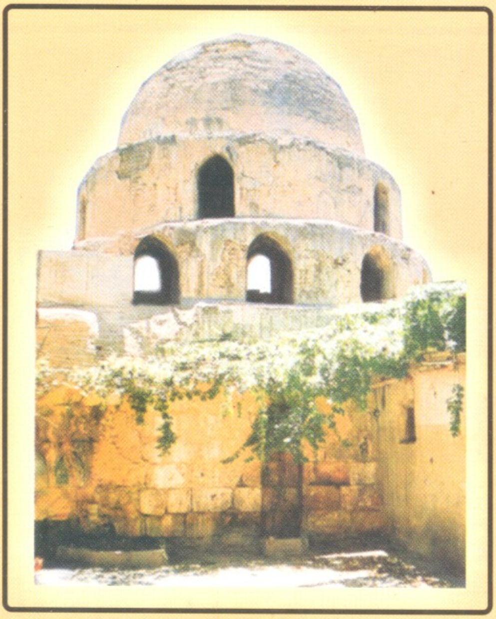

ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوت

ملتان

6 رجب المرجب 1434ھ • جون 2013ء

مزارِ اقدس

امیر المؤمنین، امام المتقین، خال المسلمین

کاتبِ وحی المبین، خلیفۂ راشد و عادل و برحق

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

انتقال: ۲۲ رجب ۶۰ھ دمشق — شام

- نئی حکومت، پرانے مسائل، نئی توقعات
- انتخاب خلفائے خمسہ و سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم
- جنت البقیع —— اہلِ مدینہ کا قبرستان

- ۲۲ رجب کے کونڈے
- لفظ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی معنوی تحریف اور قادیانیوں کا انکارِ ختم نبوت

قطب الارشاد، حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمہ اللہ کا الہامی افادہ

محاضراتِ ختمِ نبوت
ختمِ نبوّت کورس

05 تا 14 شعبان 1434ھ / 15 تا 24 جون 2013ء

دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان

زیرِ سرپرستی

ابنِ امیرِ شریعت
امیرِ مجلس احرارِ اسلام پاکستان
حضرت پیرجی
سیّد عطاءالمہیمن بخاری
دامت برکاتہم

ملک کے معروف اساتذہ ومدرسین، دانش ور اور محققین اسباق پڑھائیں گے

عنوانات

1- عقیدۂ ختم نبوت قرآن وحدیث کی روشنی میں
2- حیات سیدنا عیسیٰ علیہ السلام
3- انکارِ ختم نبوت پر مبنی فتنوں کی تاریخ
4- ردّ قادیانیت پر بحث ومکالمہ کا طریقۂ کار
5- عقیدۂ ختم نبوت اور قادیانیت
6- آئین سے متصادم قادیانی سرگرمیاں
7- احرار اور محاسبۂ قادیانیت (تعارف وتاریخ)
8- اسلام، مغرب اور انسانی حقوق

- دینی مدارس کے درجہ ثالثہ اور اس سے اوپر کے درجات کے طلباء، دیگر تعلیمی اداروں کے کم از کم میٹرک پاس اور اس سے اوپر کے طلباء
- 20 رجب سے 30 رجب تک داخلہ ہوگا۔
سادہ کاغذ پر درخواست مع فوٹوسٹیٹ شناختی کارڈ
- رہائش وخوراک کا انتظام ادارہ کے ذمہ ہوگا۔
- موسم کے مطابق بستر ہمراہ لائیں۔
- سو فیصد حاضری اور بہتر استعداد والے طلباء کو انعامات دیئے جائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

رابطہ

ملتان	061 - 4511961 0300-6326621	چناب نگر	047 - 6211523 0301-3138803
لاہور	042-35865465 0300-4240910	چیچہ وطنی	040 - 5482253 0300-6939453

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت (شعبۂ تبلیغ) مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

بانی: سید الاحرار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی: ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

جلد 24 شمارہ 6 — رجب المرجب 1434ھ — مئی 2013ء

Regd.M.No.32, I.S.S.N.1811-5411

فیضانِ نظر —

حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ سرپرستی

حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم ابن امیر شریعت

مدیر مسئول —

سید محمد کفیل بخاری

kafeel.bukhari@gmail.com

رفقائے فکر —

عبد اللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد

مولانا محمد مغیرہ • محمد عمر فاروق

قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس

سید صبیح الحسن ہمدانی

sabeeh.hamdani@gmail.com

سید عطاء المنان بخاری

atabukhari@gmail.com

تزئین —

محمد نعمان سنجرانی

nomansanjrani@gmail.com

سرکولیشن منیجر —

محمد یوسف شاد 0300-7345095

زرِ تعاون سالانہ

اندرون ملک	-/200 روپے
بیرون ملک	-/4000 روپے
فی شمارہ	-/20 روپے

شذرات

دل کی بات:	نئی حکومت، پرانے مسائل، نئی توقعات	مدیر	2
دین و دانش:	انتخاب خلفائے خمسہ و سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم	پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی	4
//	خاندانِ فاروقی کی بنو ہاشم سے رشتہ داریاں (آخری قسط)	مولانا حکیم محمود احمد ظفر	15
حسنِ انتخاب:	قطب الارشاد شیخ المشائخ حضرت شاہ عبد الرحیم رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کا ایک الہامی افادہ	سید صبیح ہمدانی	22
خطاب:	خلیفۂ راشد سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فضائل و مناقب اور سیرت و کردار	امام اہل سنت مولانا سید ابو معاویہ ابو ذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ	25
ادبیات:	نذرانۂ عقیدت بحضور امیر المومنین، خلیفۂ راشد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ	حضرت شوقی اسعدی، ابو الوفا	29
//	امیر المومنین، خال المسلمین، ہادی و مہدی انام، فاتح روم و شام خلیفۂ راشد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ	محمد یوسف طاہر قریشی	30
تحقیق:	اہل مدینہ کا قبرستان (جنت البقیع)	حافظ عبید اللہ	32
//	۲۲ رجب کے کونڈے	عنصر صابری	38
//	کونڈا نامہ	مولانا محمد الحسن بدایونی	44
افکار:	بھیڑیا اور شیر	ابو طلحہ عثمان ایم اے	47
آپ بیتی:	ورق ورق زندگی (قسط: ۲۵)	پروفیسر خالد شبیر احمد	49
مطالعۂ قادیانیت:	لفظِ خاتم النبیین کی معنوی تحریف اور قادیانیوں کا انکارِ ختم نبوت	مولانا محمد مغیرہ	56
اخبار الاحرار:	مجلس احرار اسلام پاکستان کی سرگرمیاں	ادارہ	62
ترحیم:	مسافرانِ آخرت	ادارہ	63

www.ahrar.org.pk
www.alakhir.com
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

☎061-4511961

تحریکِ تحفظِ ختم نبوت کی ترجمان مجلس احرار اسلام کا ...

مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل زو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

ترسیل زر: ماہنامہ نقیب ختم نبوت

... 100-7278-1 ...

دل کی بات

مدیر

نئی حکومت، پرانے مسائل، نئی توقعات

ملک میں قومی وصوبائی اسمبلیوں کے انتخابات دہشت گردی، قتل وغارت گری، بم دھماکوں، دھونس اور دھاندلی، احتجاجی مظاہروں، بائیکاٹ اور دھرنوں کے ماحول میں مکمل ہوگئے۔ شکر ہے میڈم جمہوریت کے حسن پر نکھار تو آیا جمہوری تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ یہی جمہوریت کا حسن ہے کہ اتنے شدید ماحول میں بھی انتخابات منعقد ہوئے اور لوگوں نے دل کھول کر بڑی تعداد میں ووٹ ڈالے۔

مسلم لیگ (نواز) کو واضح اکثریت حاصل ہوئی۔ مرکز، پنجاب اور بلوچستان میں مسلم لیگ (ن) ہی کی حکومت بننے کے واضح امکانات اور آثار ہیں۔ سندھ میں پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم، خیبر پختونخواہ میں تحریک انصاف کو واضح برتری حاصل ہوئی جبکہ جماعت اسلامی نے دس نشستیں حاصل کر کے دوسری پوزیشن حاصل کی۔ قوی امکان ہے کہ تحریک انصاف جماعت اسلامی اور دیگر اتحادی جماعتیں مل کر خیبر پختونخواہ میں حکومت بنائیں گی۔ اے این پی کا مکمل صفایا ہوگیا جس پر اسفند یار ولی نے کہا کہ ہمارے ہاتھ پاؤں باندھ کر ہمیں میدان میں اتارا گیا ہم نے سمجھا تھا کہ ریفری فخرو بھائی ہے جبکہ ریفری طالبان نکلے۔ اسفند یار ولی کی والدہ بیگم نسیم ولی نے کہا کہ اسفند کو سیاست کی الف ب بھی نہیں آتی۔

مذہبی جماعتوں میں جمعیت علماء اسلام (ف) قومی اسمبلی میں گیارہ نشستیں جیتنے میں کامیاب ہوئی اور جماعتِ اسلامی نے تین نشستیں حاصل کیں۔ مولانا کا نواز شریف کے ساتھ سیاسی رومانس چل رہا ہے جبکہ منور حسن کا عمران خان کے ساتھ ؂

دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پر گہر ہونے تک

نئی حکومت میں وہی پرانے چہرے ہیں۔ جو گھوم گھام کے پھر مسلم لیگ (ن) میں واپس آگئے ہیں۔ ایک ایک دو دو سیٹوں والی چھوٹی چھوٹی مسلم لیگیں بھی ''بی امّاں ن لیگ'' میں ضم ہو رہی ہیں۔ لیکن یہ وہ بُدھو نہیں جو صبح کے بھولے شام کو گھر آجاتے تھے۔ یہ بڑے سیانے ہیں، یہ لَوٹ کر نہیں لُوٹ کر گھر آجاتے ہیں اور گزشتہ پینسٹھ برسوں سے نہایت بے شرمی کے ساتھ یہی کھیل کھیل رہے ہیں۔ نظر بہ ظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب یہ کھیل ختم ہونے والا ہے۔ کھیل آخر کھیل ہی ہوتا ہے اور اسے بالآخر ختم ہی ہونا ہوتا ہے۔

مسٹر نواز شریف نے اپنی حکومت کا ایجنڈا مشتہر کر دیا ہے جسے وہ جنگی بنیادوں پر پورا کرنے کے عزم کا اظہار کر رہے ہیں۔

۱۔　پاور انرجی کا حصول اور لوڈ شیڈنگ کا خاتمہ

۲۔　معاشی استحکام

۳۔　طالبان سے مذاکرات اور دہشت گردی کا خاتمہ

حقیقتاً یہ تینوں اہم ترین مسائل ہیں۔ اگر ملک پاور انرجی کے حصول میں خود کفیل اور لوڈ شیڈنگ ختم ہو جاتی ہے تو لازمی طور پر صنعتی بحران ختم ہوگا، بند یونٹ چلنے لگیں گے اور معاشی استحکام پیدا ہوگا۔ اس سلسلے میں چین کے تعاون کی پیش کش سے استفادہ اوّلین ترجیح ہونی چاہیے۔

طالبان سے مذاکرات اور دہشت گردی کا خاتمہ نہایت اہم اور نازک ترین مسئلہ ہے۔ جسے حل کرنے کے لیے نواز شریف نے مذاکرات کا عندیہ دیا ہے۔ نتیجتاً دہشت گردی کے واقعات میں بہت زیادہ کمی واقع ہوئی۔ لوڈ شیڈنگ اور دہشت گردی کے مسائل سابق حکومت بھی حل کر سکتی تھی لیکن انہوں نے تمام مسائل کے حل نہ ہونے کی ذمہ داری سابق حکومت پر ڈال کر پانچ سال پور کر لیے۔ خصوصاً سابق وزیر داخلہ مسٹر عبدالرحمٰن ملک دہشت گردی کے ہر واقعے کو طالبان کے کھاتے میں ڈال کر سرخرو ہوتے رہے۔ اور سابق وزیر اعظم گیلانی بجلی کے بحران کا ذمہ دار نواز شریف کو قرار دے رہے ہیں۔ جبکہ راجہ رینٹل پاور چپ سادھ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ دہشت گردی کے حوالے سے نوائے وقت میں صفحہ اوّل پر شائع ہونے والی ایک خبر نے چونکا دیا ہے جو نئی حکومت کے لیے لمحۂ فکر یہ ہے۔

''فیصل آباد میں گرفتار عیسائی گروہ طالبان کا نام استعمال کر رہا تھا''

(لاہور، خصوصی رپورٹ) پاکستان میں دہشت گردی کے عفریت کی ایک نئی شکل سامنے آئی ہے۔ ''اُمّت'' رپورٹ کے مطابق ایسی ہی ایک واردات فیصل آباد میں ہوئی جس میں ایک مسیحی نوجوان بارودی مواد پھٹنے سے مارا گیا اور اس کے 2 ساتھی گرفتار کر لیے گئے۔ دورانِ تفتیش معلوم ہوا کہ فیصل آباد میں گرفتار عیسائی گروہ طالبان اور لشکر جھنگوی کا نام استعمال کرتے تھے۔ 3 ملزمان نے پادری قیصر شان کو طالبان کے نام سے خط لکھا پھر فون پر قتل کی دھمکی دے کر 10 لاکھ روپے طلب کیے۔ خوفزدہ کرنے کے لیے گھر پر دھماکہ کرنے جا رہے تھے کہ بارودی مواد موٹر سائیکل پر پھٹ گیا۔ دو برس میں شہر کے تاجروں سے 20 کروڑ روپے بھتہ وصول کیا جا چکا ہے۔ (نوائے وقت، ملتان، ۲۵ رمئی ۲۰۱۳ء)

نواز شریف کو دہشت گردی کے خاتمے کے لیے طالبان سے مذاکرات ضرور کرنے چاہئیں۔ ڈرون حملوں کو رکوانے کے لیے ہر ممکن اقدامات اٹھائے جائیں۔ قوم کو مسٹر نواز شریف کی نئی حکومت سے بہت ساری نئی توقعات ہیں۔ اُمید ہے کہ وہ اپنے دعووں کے مطابق مختصر کابینہ کے ساتھ اپنے ایجنڈے کو ترجیحی بنیادی پر مکمل کریں گے۔ اور اپنے اہداف حاصل کر کے ملک میں امن و سلامتی اور معاشی و سیاسی استحکام کا ذریعہ بنیں گے۔ ورنہ خود انہی کے بقول: ''اگر یہ مسائل حل نہ کیے تو ہمارا حشر بھی پیپلز پارٹی جیسا ہوگا'' کے مصداق بن جائیں گے۔

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

انتخاب خلفائے خمسہ وسیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم

حضرت ابوبکر تا حضرت حسن پانچوں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے طریق انتخاب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ:

(اولاً)　ہر ایک کا طریق انتخاب ایک دوسرے سے جدا تھا اور ایسی کوئی ایک معین شکل نہیں جس کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ ان کا انتخاب اس کے اندر محصور تھا۔

(ثانیاً)　مذکورہ خلفاء میں سے کوئی بھی اس معنی میں عوامی مشاورت اور آزادانہ رائے سے خلیفہ نہ بنا تھا جس عوامی مشاورت اور آزادانہ رائے کو آج کل جمہوریت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ ان کے بارے میں بدوؤں، مدینہ میں آنے والے قافلوں میں شریک حضرات، امرائے عساکر اور خواتین وبچوں سمیت باشندگانِ مدینہ کی آراء معلوم کی گئی تھیں۔

(ثالثاً)　ان سب خلفاء میں یہ چیز قدر مشترک تھی کہ ان کی خلافتیں تعجیلاً و تاخیراً یا بعد از مصالحت برضا ورغبت پوری مملکت اسلامیہ میں قبول کی گئیں۔ اس معنی میں انہیں عوامی خلفاء کا نام دیا جا سکتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جس مجلس میں انتخاب کیا گیا تھا اس میں مدینے کے تمام عوام تو کجا پورے خواص بھی جمع نہ تھے وہ کل مجلس محض چند انصار اور تین چار مہاجرین پر مشتمل تھی۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل حل وعقد کی مشاورت کے بغیر نہ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام تجویز کیا بلکہ فوری طور پر ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت بھی کر لی۔

انعقاد خلافت کے بعد دوسرے روز بیعت عامہ ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تک کو اس بات کا شکوہ رہا کہ انہیں مشورہ میں شریک نہیں کیا گیا۔ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صحیح بخاری کی روایت کے مطابق چھ ماہ تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت ہی نہیں کی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب بھی عوام کی آزادانہ رائے کے بغیر خلیفۂ وقت کی ذاتی مرضی اور صوابدید کے مطابق عمل میں آیا تھا۔ اس سلسلہ میں جن چند حضرات سے مشاورت کی گئی تھی تو اسے ہرگز استصواب عام نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انتخاب کی صورت پہلے دونوں خلفاء سے مختلف ہے جو بالواسطہ نامزدگی کی ہی ایک صورت ہے۔ خلیفۂ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہادت سے پہلے خلافت کے لئے چھ حضرات کو نامزد فرمایا کہ یہ حضرات صرف اپنے میں سے ہی بالاتفاق یا کثرت رائے سے کسی ایک کو خلیفہ مقرر کر دیں اور اس کے لئے انہوں نے کسی آزادانہ رائے یا عوامی مشاورت کو ضروری خیال نہیں کیا۔ اگر اسے ضروری خیال کرتے تو خود ہی چھ امیدواروں کو نامزد نہ

کرتے بلکہ اس کام کوعوام کی مرضی پر چھوڑ دیتے۔ نیز اگر انہوں نے یہ امیدوار نامزد کر ہی دیئے تھے تو پھر یہ طریقہ کار اختیار کرتے کہ ان چھ امیدواروں کو عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے پھر جس کے حق میں عوامی ووٹ زیادہ ہوں اسے خلیفہ منتخب کر لیا جائے لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ بلکہ انہوں نے انتخابِ خلیفہ کا تمام تر معاملہ صرف ان ہی چھ حضرات کے سپرد کر دیا۔ ان کے علاوہ کسی اور کو اس میں شامل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ صرف عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک ساتویں آدمی تھے جنہیں امیدواری کی دوڑ سے خارج کر کے ان سے صرف مشاورت کی اجازت دی گئی تھی یا امیدواروں کے حق میں ووٹ برابر ہونے کی صورت میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ووٹ دینے کی اجازت حاصل تھی۔ علاوہ ازیں مشاورت کا یہ طرز عمل بھی قابل غور ہے کہ تین امیدوار خود اپنے حق سے دست بردار ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ میں سے جو دست بردار ہونا چاہے تو خلیفہ کی تقرری کا اختیار اسے دیا جاتا ہے لیکن ان دونوں نے خاموشی اختیار کر لی تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے خود دست بردار ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس طرح خلیفہ کی نامزدگی کا اختیار صرف حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا۔ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے بھی کوئی ایک دست بردار ہو جاتا تو باقی رہنے والا امیدوار بغیر کسی ووٹنگ کے خود بخود خلیفہ بن جاتا۔ اگرچہ خلیفہ کی نامزدگی کا اختیار اب صرف ایک شخص کے ہاتھ میں آ گیا تھا لیکن انہوں نے اپنے ذاتی اجتہاد اور تقویٰ واخلاص کی بناء پر رائے عامہ کو بھی اس میں شریک کر لیا جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت کا فیصلہ صادر کر دیا۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جانشین کی نامزدگی سے متعلق درخواست کی گئی تھی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر آج ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ یا سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو ضرور انہیں اپنا جانشین نامزد کر جاتا۔

جبکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو اس لئے نامزد نہیں کیا گیا کہ ان کے نزدیک خلافت کا بوجھ اٹھانے کے لئے خاندان عمر رضی اللہ عنہ میں سے ایک عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہی کافی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کی خواہش سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو وہی ترتیب اور تجویز تھی جو سقیفہ بنی ساعدہ میں سامنے آئی تھی۔

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انصار کے سامنے یہ فرمایا کہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ موجود ہیں ان میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسی تجویز کے مطابق اپنی وفات سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نامزد کر دیا۔

ظاہر ہے کہ پھر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا نمبر تھا لیکن وہ عہد خلافتِ فاروق رضی اللہ عنہ میں وفات پا گئے تھے۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے پہلے اس تمنا کا اظہار فرمایا تھا کہ اگر آج ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ زندہ

ہوتے تو کسی چھ رکنی انتخابی کمیٹی کی بھی کوئی ضرورت نہیں تھی میں انہیں ضرور خلیفہ نامزد کر جاتا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی ایک مرتبہ لوگوں نے ان کی علالت کے پیش نظر خلیفہ نامزد کرنے کی درخواست کی تھی۔

چنانچہ امام بخاری اپنی صحیح میں یہ روایت لائے ہیں کہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ایک سال نکسیر کی وبا پھیل گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی شدت سے نکسیر پھوٹی حتیٰ کہ آپ حج کو بھی نہ جا سکے اور وصیت بھی کر دی۔ ان ہی ایام میں قبیلہ قریش کا ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اس نے کہا:

استخلف فقال: وقالوه: قال نعم. قال ومن؟ فسكت. فدخل عليه رجل آخر احسبه الحارث فقال:

استخلف. فقال عثمان وقالوا. فقال نعم. قال ومن هو؟ قال فسكت قال فلعلهم قالو الزبير قال نعم.

قال اما والذى نفسى بيده انه لخيرهم ما علمت وان كان لأحبهم الى رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم.

آپ کسی کو خلیفہ بنا دیجئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا لوگ ایسا کہتے ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ کس کو (یہ لوگ خلیفہ بنانا چاہتے ہیں)؟ تو وہ خاموش ہو گیا۔

پھر ایک اور شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اس نے بھی کہا: آپ کسی کو خلیفہ بنا دیجئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ کیا لوگ ایسا کہتے ہیں؟ اس نے کہا ہاں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا (وہ) کس کو (خلیفہ بنانا چاہتے ہیں؟) اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: شاید وہ زبیر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہوں گے؟ اس نے کہا: ہاں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میرے علم کے مطابق وہ ان میں سب سے بہتر ہیں اور وہ ان لوگوں میں سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھے۔

(صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب: مناقب الزبیر بن العوام۔ رقم الحدیث: ۳۷۱۷)

اس سے اگلی روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خلیفہ کی نامزدگی سے متعلق درخواست کرتے ہوئے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا نام لیا گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اما واللّٰه انكم لتعلمون انه خيركم ثلاثا.

اللہ کی قسم تم بھی جانتے ہو کہ وہ تم لوگوں میں سب سے بہتر ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس جملہ کو تین دفعہ دہرایا۔ (حوالہ مذکور۔ رقم الحدیث ۳۷۱۸)

مترجم بخاری علامہ وحید الزمان نے اس حدیث پر یہ نوٹ بھی دیا ہے کہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلافت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لئے لکھ کر اپنے منشی کے پاس وہ کاغذ رکھوا دیا تھا مگر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ان کی زندگی میں ہی ۳۲ھ میں انتقال کر گئے۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی اہل تر آدمی موجود ہوتا تو نامزدگی کو نہ تو خلفائے راشدین ناجائز سمجھتے تھے اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آخری وقت میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کرنے کو کہا گیا تو آپ نے نہ تو یہ فرمایا کہ استخلاف ناپسندیدہ یا ناجائز کام ہے اور نہ ہی یہ فرمایا کہ باپ کے بعد بیٹا کیونکر نامزد کیا جاسکتا ہے۔ جب حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ہم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں تو انہوں نے فقط یہ فرمایا: نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں، نہ اس سے منع کرتا ہوں تم لوگ اچھی طرح خود غور کر سکتے ہو۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

''کسی خلیفہ اور امام کی خلافت وامامت اہل سنت کے نزدیک یا تو اہل حل وعقد علمائے اہل عدل واہل الرائے کے اختیار وانتخاب سے ثابت ہوتی ہے جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت ہے۔ یا امام سابق کی نامزدگی اور معین کرنے سے خلافت ثابت ہوتی ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نامزد کرنے سے ثابت ہوئی۔'' (شرح فقہ اکبر)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

''اسلام میں تقرر امام وخلیفہ کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ امام سابق کسی کو معین ونامزد کردے اور اس کے جواز پر اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے۔'' (**النبراس شرح لشرح العقائد**، ص:۵۲۸)

قاضی ابویعلیٰ محمد بن حسین الفراء رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

''خلیفہ کے لئے یہ بالکل جائز ہے کہ وہ اپنے بعد کسی شخص کو اپنا ولی عہد بنائے اس معاملہ میں ارباب حل وعقد کی موجودگی ضروری نہیں اس لئے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو نامزد کیا تھا اور یہ نامزدگی کرتے وقت ارباب حل وعقد کی موجودگی کو ضروری نہیں سمجھا۔'' (**الاحکام السلطانیہ تحت فصول فی الامامۃ**، ص:۹)

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

''پس ہمارے نزدیک امامت اور خلافت کا انعقاد کئی صورتوں سے صحیح ہوسکتا ہے، ان میں سب سے پہلی اور سب سے افضل و صحیح صورت یہ ہے کہ مرنے والا خلیفہ اپنی مرضی سے کسی کو اپنی موت کے بعد خلیفہ مقرر کر جائے۔ اس نامزدگی میں یہ برابر ہے کہ وہ اپنی حالت صحت میں اس کو نامزد کرے یا اپنی بیماری میں اور یا اس دنیا سے رحلت کے وقت۔ کیونکہ نص اور اجماع کے لحاظ سے یہ کسی صورت میں بھی ناجائز اور منع نہیں ہے۔'' (**الفصل فی الملل و النحل ، جلد۴، ص:۱۶۹**)

اسوہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور علما سلف کی تصریحات کے مطابق خلیفہ عادل اور راشد کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ دیانتاً اُمت کی خیر خواہی کے پیشِ نظر خلافت کے اہل کسی شخص کو اہل حل وعقد کی موجودگی کے بغیر بھی نامزد کر سکتا ہے اور یہ صورت صرف جائز ہی نہیں بلکہ بہتر ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشادات سے واضح ہوتا ہے اور دوسرا نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ باپ کے بعد بیٹا بھی خلیفہ بن سکتا ہے جیسا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کو متفقہ طور پر خلافت راشدہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

اور تیسرا یہ کہ باپ اگر خود اپنے بیٹے کو نامزد کر دے بشرطیکہ وہ اس کا اہل ہو تو یہ بھی کوئی گناہ کی بات نہیں بلکہ جائز ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے واضح ہوتا ہے۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں اب اس بات کا جائزہ ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کس طریقے سے منصب خلافت پر فائز ہوئے۔

انتخاب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ:

چوتھا طریقہ (انعقاد خلافت کا) استیلاء ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جب خلیفہ کی وفات ہو جائے اور کوئی شخص بغیر (اہل حل وعقد کے) بیعت کیئے ہوئے اور بغیر (خلیفہ سابق کے) استخلاف کے خلافت کو لے لے اور سب لوگوں کو تالیف قلوب یا جنگ و جبر سے اپنے ساتھ کر لے (تو یہ شخص) خلیفہ ہو جائے گا اور اس کا جو فرمان شریعت کے موافق ہوگا اس کی بجا آوری سب لوگوں پر لازم ہوگی۔

اور اس (چوتھے طریقے) کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ استیلاء کرنے والا (خلافت کی) شرطوں کو جامع ہو اور بغیر ارتکاب کسی ناجائز امر کے (صرف) صلح اور تدبیر سے مخالفوں کو (مزاحمت سے) باز رکھے۔ یہ قسم عندالضرورت جائز ہے۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی خلافت کا انعقاد حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے صلح کر لینے کے بعد اسی طرح سے ہوا تھا۔ (**ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء جلد اول ص ۲۴۔۲۵**)

جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

درحقیقت چاروں خلفاء اس معاملہ میں بالکل یکساں تھے کہ ان کی خلافت دی ہوئی خلافت تھی نہ کہ لی ہوئی خلافت۔ ملوکیت کا آغاز اسی قاعدے کی تبدیلی سے ہوا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اس نوعیت کی خلافت نہ تھی کہ مسلمانوں کے بنانے سے وہ خلیفہ بنے ہوں اور اگر مسلمان ایسا کرنے پر راضی نہ ہوتے تو وہ نہ بنتے وہ بہر حال خلیفہ ہونا چاہتے تھے۔ انہوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی، مسلمانوں کے راضی ہونے پر ان کی خلافت کا انحصار نہ تھا۔ لوگوں نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا وہ خود اپنے زور سے خلیفہ بنے اور جب وہ خلیفہ بن گئے تو لوگوں کے لئے بیعت کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

اس وقت اگر ان سے بیعت نہ کی جاتی تو اس کا نتیجہ یہ نہ ہوتا کہ وہ اپنے حاصل کردہ منصب سے ہٹ جاتے بلکہ اس کے معنی خون ریزی و بدنظمی کے تھے۔ جسے امن اور نظم پر ترجیح نہیں دی جاسکتی تھی۔ اسی لیے امام حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری (ربیع الاول ۴۱ھ) کے بعد تمام صحابہ وتابعین اور صلحائے امت نے ان کی بیعت پر اتفاق کیا اور اس کو عام الجماعت اس بناء پر قرار دیا کہ کم از کم باہمی خانہ جنگی تو ختم ہوئی۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۵۸)

موصوف، شیعہ رہنما سید محمد علی زیدی ایڈووکیٹ کے مکان ۱۴ ٹمپل روڈ لاہور میں بعنوان ''علی کا راستہ، حسین کا راستہ'' خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

حضرت معاویہ بغیر رضا مندی عوام کے حکومت پر قابض ہو گئے تھے۔ ان کی حکومت میں مسلمانوں کی رضامندی کو کوئی دخل نہیں رہا تھا۔ (شہادت حسین کا حقیقی مقصد ص ۲۳)

اس عبارت کو بار بار پڑھیے یقین نہیں آتا کہ یہ مودودی صاحب جیسے صاحب علم اور مفکر اسلام کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن عاص اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کے خلاف تو ان کے قلم وزبان سے اکثر بغض وعداوت ٹپکتی ہی رہتی ہے لیکن مذکورہ عبارت میں تو انہوں نے حضرات حسنین سمیت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور صلحائے امت رحمہم اللہ کی بھی توہین کر ڈالی۔

کیا صحابہ کی رضامندی کے بغیر مسند خلافت پر قدم رکھا جاسکتا تھا؟ کیا صحابہ کرام اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم نے ڈر کر یا مجبور ہو کر بیعت کی تھی؟ دراصل مودودی صاحب نے یہ نظریہ خوارج سے مستعار لیا ہے۔ مصر کے مشہور مؤرخ علامہ محمد الخضری لکھتے ہیں کہ:

(خوارج کے نزدیک) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت پر بزور تسلط حاصل کیا۔ مسلمانوں کی رضامندی کے بغیر اقتدار وغلبہ حاصل کر لینے کے سبب سے وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے برأت یعنی بے تعلقی اور علیحدگی ظاہر کرتے ہیں۔ (تاریخ التشریح الاسلامی ص ۱۹۴، ۲۳۷۔ مترجمہ مولانا عبدالسلام ندوی)

سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کس کے ساتھ لڑ کر خلافت حاصل کی؟ جنگ صفین میں انہوں نے

اپنے دفاع میں تلوار اٹھائی پھر اس جنگ کے بارے میں بھی متفقہ رائے یہ ہے کہ وہ قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے مسئلہ پر لڑی گئی نہ کہ مسئلہ خلافت پر۔ خلیفہ تو وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری کے بعد بنے اور وہ بھی بغیر لڑے بھڑے۔ اگر ارادۂ جنگ ثابت کر بھی دیا جائے تو اس میں بھی دفاعی پہلو ہی سامنے آئے گا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد کی لشکر کشی کے جواب میں اپنی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا تھا۔ اس نقل وحرکت کی اطلاع جوں ہی لشکر حسن رضی اللہ عنہ میں پہنچی تو اس میں بھگدڑ مچ گئی اور انہوں نے آپس میں ہی لوٹ مار شروع کر دی۔ حتیٰ کہ اپنے امام اور خلیفہ کو بھی زخمی کر دیا اس رویے سے بددل ہو کر اور امت کی خیر خواہی کے پیش نظر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح کی درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے ان کے حق میں کسی جبر واکراہ کے بغیر اور برضا ورغبت نہ صرف خلافت سے دست برداری اختیار کی بلکہ ان کے ہاتھ پر اپنے رفقاء سمیت بیعت بھی کر لی۔

تاریخ کے کسی کونے کھدرے سے بھی یہ بات نہیں دکھائی جاسکتی کہ اس عمل بیعت اور انتقالِ اقتدار میں کسی اشتر، کسی حکیم بن جبلہ اور کسی غافقی بن حرب نے کسی کو تلوار کے زور سے بیعت پر مجبور کیا ہو۔ صلح کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تڑپ، مراسلت، مشاورت، مذاکرات اور بالآخر شرائط کے لیے سادہ ومختوم کاغذ فریق مخالف کے پاس بھیجنا خود اس بات کا بین ثبوت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لڑ کر اور بزور خلافت حاصل نہیں کی۔

کیا کسی فریق مخالف کو جنگ کی دھمکی دے کر صلح پر آمادہ کیا جاسکتا ہے؟ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جنگ کی دھمکی سے صلح نہیں بلکہ جنگ ہی ہوتی ہے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ تنہا اور کمزور تو نہیں تھے۔ ان کے ساتھ چالیس ہزار کی تعداد میں ایک لشکر جرار موجود تھا۔ پھر ایسے حالات میں ان کے ساتھ لڑ کر خلافت کیوں کر حاصل کی جاسکتی تھی؟

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تھے تو اب سوال یہ ہے کہ انہیں خلیفہ کس نے منتخب کیا تھا؟ بقول مودودی صاحب ''مسلمانوں نے تو انہیں خلیفہ نہیں بنایا تھا اور نہ ہی مسلمان ان کی خلافت پر راضی تھے'' تو کیا کافروں کی رضامندی سے وہ خلیفہ بنے تھے؟ کیا رومیوں اور عیسائیوں نے انہیں خلیفہ مقرر کیا تھا؟ کیا وہ غیر مسلموں کے خلیفہ تھے؟ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ مسلمان انہیں خلیفہ نہ بنانا چاہیں اور نہ ہی ان کی خلافت پر راضی ہوں مگر پھر بھی وہ بزور خلیفہ بن جائیں؟

پھر یہ بات بھی قطعاً قابل اعتناء نہیں ہے کہ مکہ کے ایک باشندے کے پاس شام کے علاقے میں بیٹھ کر اس قدر قوت اور طاقت آگئی تھی جس نے تمام صحابہ وتابعین اور صلحائے امت کو بیعت کرنے پر مجبور کر دیا تھا؟

کیا مسلمانوں کے تعاون کے بغیر بھی کسی اسلامی مملکت پر بزور وجبر قبضہ کیا جاسکتا ہے؟

کسی ملک وسلطنت کی امارت تو رہنے دیجیے۔ کیا جماعت اسلامی کی امارت بھی ایسے بھونڈے طریقے سے

حاصل کی جاسکتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتخاب بطریق ’’استیلاء‘‘ ہرگز نہیں ہوا بلکہ پوری مملکت اسلامی کے نمائندہ اہل حل وعقد اور صحابہ وتابعین اور صلحائے امت کے برضاورغبت بیعت کر لینے کی وجہ سے عمل میں آیا اور اس قسم کی مشاورت اور عام استصواب کی مثال گذشتہ پانچوں خلفاء کے طریق انتخاب میں نہیں ملتی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کیوں دست بردار ہوئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کس طرح خلیفہ منتخب ہوئے؟ اسے سمجھنے کے لئے صحیح بخاری کی حسب ذیل روایت ہدیۂ قارئین کی جاتی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ:

اللہ کی قسم حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں پہاڑوں کی طرح فوجیں لے کر آئے تھے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ فوج مخالفین کو شکست دیئے بغیر پیٹھ نہ موڑے گی۔

یہ سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ’’جوان دونوں (عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ) میں بہتر تھا کہ اگر انہوں نے انہیں مارا یا انہوں نے انہیں مارا، آخر اس خون ریزی کا ذمہ دار کون ہوگا؟ اور ان کی عورتوں اور بچوں کی کون خبر گیری کرے گا؟‘‘ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دو قریشی آدمیوں کو جن کا تعلق قبیلہ بنی عبدشمس سے تھا اور جن کا نام عبدالرحمٰن بن سمر رضی اللہ عنہ، اور عبداللہ بن عامر تھا بلایا اور ان سے کہا کہ ’’تم جا کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کی بات کرو اور انہیں صلح کی دعوت دو اور وہ جو کہیں مان لو۔‘‘

غرض یہ دونوں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور گفتگو کی اور صلح کے طلب گار ہوئے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ہم عبدالمطلب کی اولاد ہیں ہم نے تو اس مال سے تکلیف ہی اٹھائی ہے لیکن یہ جماعت خون ریزی میں مبتلا ہو چکی ہے (ان کو تو مال دے کر ہی خون ریزی سے روکا جاسکتا ہے ورنہ یہ پھر کوئی فتنہ اٹھائیں گے) تو وہ دونوں کہنے لگے کہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کو اتنا اتنا مال دینے پر راضی ہیں اور آپ سے صلح چاہتے ہیں جو شرائط آپ چاہیں منظور کر سکتے ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس بات کی ذمہ داری کون لیتا ہے؟ ان دونوں نے کہا: ہم ذمہ دار ہیں۔ اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جو شرط بھی رکھی ان دونوں نے کہا ہم اس کے ذمہ دار ہیں الغرض حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

میں نے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر دیکھا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں تھے۔ آپ ﷺ کبھی لوگوں کی طرف اور کبھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے۔

ان ابنی ھذا سید لعل اللّٰہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین.

میرا یہ بیٹا (نواسہ) سردار ہے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے۔

(صحیح بخاری. کتاب الصلح باب قول النبی ﷺ للحسن بن علیؓ ابنی هذا سید...... رقم الحدیث ۲۷۰۴)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دست برداری اور بیعت کے بعد اب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عالم اسلام کے متفقہ خلیفہ ہوگئے۔ تمام صحابہ وتابعین نے برضا ورغبت ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اس طرح امت مسلمہ کی خانہ جنگی اور انتشار کا دور ختم ہوکر امن وسلامتی میں تبدیل ہوگیا۔ ملت اسلامیہ نے سکھ اور سکون کا سانس لیا اور اس بات کی خوشی منائی گئی کہ اب مملکت اسلامی کا ہر مسلمان ایک اللہ، ایک رسول، ایک کتاب، ایک کعبہ، ایک دارالخلافہ اور ایک ہی خلیفہ سے وابستہ ہے۔

حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ:

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور ان کی جماعت کے بیعت کر لینے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع ہوگیا اور یہ واقعہ ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ ۴۱ھ کا ہے پس اس سال کا نام ہی عام الجماعت رکھا گیا۔

امام اوزاعی نے کہا: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پایا لیکن کسی نے بھی نہ ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچا اور نہ ہی جماعت سے علیحدگی اختیار کی۔ (استیعاب علی الاصابہ جلد ۳ ص ۳۹۸، ۴۰۰)

یہاں تک کہ غیر جانب دار صحابہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھی بیعت نہیں کی تھی انہوں نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۱۳ ص ۵۳)

محدث ابن حجر الہیتمی المکی م ۹۷۴ھ لکھتے ہیں کہ:

غور کیجئے کہ رسول اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاکم بننے کی جو بشارت دی اور انہیں احسان کرنے کا حکم دیا، یہ حدیث ان کی خلافت کی صحت اور اس کے حق ہونے کو ثابت کرتی ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری کے بعد وہ اس کے مستحق تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں احسان کا حکم دینا اس بات پہ دلالت کرتا ہے کہ ان کی حکومت وخلافت حق تھی، ان کے تصرفات بھی حق تھے اور ان کے احکامات بھی خلافت کے صحیح ہونے کی وجہ سے درست تھے۔

لامن حیث التغلب لأن المتغلب فاسق معاقب لا یستحق ان یبشر ولا أن یؤمر بالاحسان فیما تغلب علیه بل انما یستحق الزجر والمقت والاعلام بقبیح افعاله و فساد احواله.

فلو کان معاویة متغلبا لأ شار له ﷺ الی ذلک او صرح له به فلما لم یشر له فضلاً عن ان یصرح الا بما یدل علیٰ حقیة ما هو علیه. علمنا انه بعد نزول الحسن له خلیفة حق و امام صدق.

یہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف اس لئے فرمائی کہ وہ بزور خلیفہ بن جائیں گے کیونکہ

زبردستی خلیفہ بننے والا فاسق اور قابل سزا ہوتا ہے۔ نہ یہ کہ اسے خوش خبری کا حق دار سمجھا جائے اور نہ ہی ایسے کو احسان کا حکم دیا جاتا ہے بلکہ وہ تو زجر اور سزا کا حق دار ہوتا ہے اور برے کاموں اور کرتوتوں کی بناء پر اس کی تشہیر ضروری ہوتی ہے۔

لہٰذا اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ زبردستی خلیفہ بنے ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف ضرور اشارہ فرماتے یا اس کی تصریح فرما دیتے اور جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ نہ فرمایا چہ جائیکہ کوئی تصریح ملے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خلافت کے حق ہونے کی طرف اشارہ فرمایا۔

اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دست بردار ہونے کے بعد وہی خلیفہ برحق اور امام صدق تھے۔

(الصواعق المحرقة فی الرد علیٰ اھل البدع والزندقة ص۲۱۹ مطبوعہ مکتبہ مجیدیہ ملتان)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ:

واما خلافة معاویة بن ابی سفیان فثابتة صحیحة بعد موت علیؓ وبعد خلع الحسن بنعلیؓ نفسه عن الخلافة وتسلیمها الیٰ معاویةؓ. (غنیة الطالبین ص ۱۹۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت شہادت علی رضی اللہ عنہ کے بعد اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خلافت سے دست بردار ہو جانے اور اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دینے کی وجہ سے ثابت اور صحیح ہے۔

امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''عام الجماعۃ'' میں مدینہ منورہ آئے تو ان سے قریش کے لوگوں نے ملاقات کی اور کہا:

الحمد لله الذی اعز نصرک واعلیٰ امرک.

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے آپ کی مدد کی اور آپ کا معاملہ بلند کر دیا۔

(البدایه والنهایة جلد۸ ص۱۳۲)

اہل تشیع نے بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری اور بیعت کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ شیعہ مجتہد محمد بن عمر کشی لکھتے ہیں کہ:

حضرت جعفر صادق فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف ایک مکتوب ارسال کیا کہ آپ اور آپ کے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دیگر احباب ہمارے ہاں تشریف لائیں تو ان کے ہمراہ قیس بن سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ بھی روانہ ہوئے اور شام پہنچ گئے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اجازت دی اور (اس مجلس میں) ان کے لیے کئی خطباء کا بھی انتظام کیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

یا حسن قم فبایع فقام فبایع ثم قال للحسین قم فبایع فقام فبایع ثم قال یا قیس قم فبایع

فالتفت للحسین ینظر ما یأمرہ فقال یا قیس انہ امامی یعنی الحسن.

اے حسن اٹھیے اور بیعت کیجیے۔ یہ سن کر حضرت حسن اٹھے اور بیعت کر لی۔ پھر یہی بات حضرت حسین سے کہی چنانچہ یہ بھی اٹھے اور بیعت کر لی۔ پھر کہا اے قیس! اٹھو اور بیعت کرو تو انہوں نے حضرت حسین کی طرف دیکھا کہ وہ اس بارے میں کیا حکم دیتے ہیں۔ اس پر حضرت حسین نے فرمایا: اے قیس! حضرت حسن میرے قائد ہیں (یعنی جب انہوں نے بھی بیعت کر لی اور میں نے بھی تو اب کیسی اجازت؟) (رجال کشی تحت تذکرہ قیس بن سعد ص۱۰۲)

شیخ ابوجعفر الطّوسی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

الا ا وانی قد بایعت ھذا و اشار بیدہ الی معاویۃ.

یعنی حضرت حسن نے اپنے ہاتھ سے حضرت معاویہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: خبردار میں نے ان سے بیعت کر لی ہے۔ (امالی جلد۲ ص۱۸۰ تحت مجلس یازدہم)

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتخاب بطریق استیلاء وتغلب ہرگز نہیں ہوا تھا بلکہ خلیفہ راشد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ان کے حق میں دست بردار ہو جانے اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما، اہل حل وعقد اور عہد مرتضوی میں غیر جانبدار حضرات سمیت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین اور صلحائے امت رحمہم اللہ کے بیعت کرنے کی وجہ سے اپنے پیش رو خلفائے راشدین حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہم ہی کے انتخاب کی طرح عمل میں آیا تھا۔

☆......☆......☆

مولانا حکیم محمود احمد ظفر　　　　　　　　　　　　　　آخری قسط

خاندانِ فاروقی کی بنو ہاشم سے رشتہ داریاں

شیعہ حضرات کی کتابوں سے نکاح کا ثبوت:

یہ چند حوالہ جات تھے جو اہلِ سنّت والجماعت کی کتابوں سے دیے گئے، اہلِ سنّت میں سے کسی شخص کو اس نکاح کے معاملہ میں اختلاف نہیں۔ البتہ شیعہ حضرات میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس نکاح سے اختلاف کرتے ہیں۔ وہ بھی اس لیے کہ ایک خاص ماحول میں اُن کی پرورش اور تربیت ہوئی ہے۔ اُس ماحول میں اُن کے لیے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارہ میں کوئی نرم گوشہ اُن کے قلب میں نہیں۔ لہٰذا اُن کا ذہن یہ تصوّر بھی نہیں کرسکتا کہ جس شخص کو وہ اوّل روز سے ہی اہلِ بیت نبوّت کا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے، وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا داماد ہو جائے؟ لہٰذا انہوں نے طرح طرح کی تاویلیں شروع کردیں جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں ذکر کی جائے گی۔ یہاں پر صرف شیعہ کتب سے چند حوالہ جات درج کیے جارہے ہیں۔ تاکہ متذکرۃ الصدر حضرات کے دلوں سے تشکیک وارتیاب کے کانٹے نکل جائیں۔

شیعہ حضرات کی حدیث کی معتبر ترین چار کتابیں ہیں جن کو صحاح اربعہ کہتے ہیں۔ ان چار کتابوں میں سے تین کتابوں میں اس نکاح کی تصدیق کی روایات موجود ہیں۔ ان میں سے صرف ایک کتاب ’’**من لا یحضرہ الفقیہ**‘‘ میں اس مسئلہ کا ذکر نہیں ہے۔ ان صحاح اربعہ میں سے بھی معتبر کتاب ’’الکافی‘‘ ہے جو اصول اور فروع دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی تصدیق امام معصومؒ نے کی ہوئی ہے۔ لہٰذا اس کی ہر روایت صحیح بلکہ صحیح ترین ہے۔

۱۔　　اسی کافی میں ہے کہ:

’’**عن ابی عبد اللّٰہ علیہ السّلام قال سألتہ عن المرأۃ المتوفی عنہا زوجہا تعتدّ فی بیتہا او حیث شأت؟ قال بل حیث شأت انّ علیًّا صلوٰۃ اللّٰہ علیہ لمّا توفّی عمر اتی کلثوم فانطلق بہا الیٰ بیتہ.**‘‘

معاویہ بن عمار روای کہتا ہے کہ میں نے سیدنا جعفر صادقؒ سے پوچھا کہ خاوند فوت ہو جائے تو وہ اپنی عدّت کے ایّام کہاں گزارے؟ خاوند کے گھر میں یا جہاں چاہے؟ سیدنا جعفر صادق نے جواب دیا وہ جہاں چاہے ایّامِ عدت گزار سکتی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جب سیدنا عمر بن الخطاب انتقال فرما گئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی اُمّ کلثوم (زوجۂ عمر رضی اللہ عنہ) کے پاس گئے اور اس کو اپنے ساتھ گھر لے آئے۔ (فروعِ کافی، جلد:۲، ص:۳۱۱، نول کشور)

اسی مضمون کی ایک اور روایت اسی کتاب میں اسی صفحہ پر سلمان بن خالد سے مروی ہے جو اوپر والی روایت کی تائید کرتی ہے۔

۲۔　اسی مضمون کی ایک اورروایت حدیث کی دوسری معتبر کتاب ''الاستبصار'' میں اسی سلمان بن خالد سے ان الفاظ سے میں منقول ہے۔

عن سليمان بن خالد قال سئالت ابا عبدالله عليه السلام عن امرأة توفّى عنها زوجها اين تعتدّ في بيت زوجها أو حيث شأت؟ قال بل حيث شأت ثم قال انّ عليا عليه السلام لمّا مات عمر اتى اُمّ كلثوم فاخذ بيدها فانطلق بها الىٰ بيته.

سلیمان بن خالد کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا جعفر الصادقؒ سے اُس عورت کے بارہ میں مسئلہ پوچھا جس کا خاوند انتقال کرگیا ہوکہ وہ اپنی عدت اپنے خاوند کے گھر گزارے یا جہاں چاہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ جہاں وہ چاہے۔ پھر فرمایا کہ دلیل یہ ہے کہ جب سیدنا عمر کا انتقال ہوا تو سیدنا علی اُمّ کلثوم کے پاس آئے اوراس کو ہاتھ سے پکڑ کر گھر لے گئے۔(الاستبصار، کتاب الطلاق باب المتوفی عنہا زوجہا)

۳۔　تہذیب الاحکام جوکہ صحاح اربعہ میں سے ایک ہے،اس کے مصنف ایک مسئلہ کے ضمن میں سیدنا جعفر صادقؒ، سیدنا محمد باقرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ:

ماتت اُمّ كلثوم بنت على و ابنها زيد بن عمر بن الخطاب فى ساعة واحدة لا يدرى ايّهما هلك قبل فلم يورث احدهما من الأخر وصلّى عليهما جميعا.

سیدہ اُمّ کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ اوراُن کے صاحبزادے زید بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک ہی لمحہ میں فوت ہوئے اور یہ پتہ نہیں چل سکا کہ کون پہلے فوت ہوا۔لہٰذا ایک کو دوسرے کا وارث نہ بنایا جاسکا۔اوران دونوں پر اکٹھی نماز جنازہ پڑھی گئی۔(تہذیب الاحکام، کتاب المیراث، جلد:۹،ص:۳۶۳)

۴۔　فقہ جعفریہ کی ایک مشہور کتاب ''شرائع الاسلام'' ہے۔اس کے مصنف علاّمہ الحلّی نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ کیا غیر کفو میں نکاح جائز ہے؟ جواب میں لکھا ہے کہ:

و يجوز نكاح الحرّة العبد والعربية العجمى والهاشمية غير الهاشمى.

آزاد عورت کا غلام مرد کے ساتھ،عربی عورت کا عجمی مرد کے ساتھ اور ہاشمی عورت کا غیر ہاشمی مرد کے ساتھ نکاح درست ہے۔(شرائع الاسلام، کتاب المیراث، جلد:۹)

شیعہ حضرات کے کسی عام عالم نے نہیں بلکہ الشہید الثانی شیخ علامہ زین الدین احمد العاملی نے اُس کی ایک ضخیم شرح لکھی۔اس شرح میں متن کی اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

وزوّج النبى ابنتية عثمان و زوّج ابنته زينب بابى العاص بن الربيع و ليسا من بنى هاشم و كذالك زوّج على ابنتة اُمّ كلثوم من عمر و تزوّج عبدالله بن عمر و بن عثمان فاطمة بنت الحسين و تزوّج مصعب ابن الزبير اختها سكينة و كلّهم من غير بنى هاشم.

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا اور دوسری صاحبزادی کا نکاح سیدنا ابوالعاص بن الربیع سے، حالانکہ یہ دونوں بنو ہاشم میں سے نہ تھے۔ اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اُمّ کلثوم کا نکاح سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کیا اور عبداللہ بن عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ سے سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہ کا نکاح ہوا۔ اور ان کی ہمشیرہ سیدہ سکینہ بنت الحسین کا نکاح سیدنا مصعب ابن زبیر سے ہوا۔ یہ سارے کے سارے غیر بنی ہاشم میں سے تھے۔ (مسالک الافہام، شرح شرائع الاسلام کتاب النکاح باب واحق العقد، ایران)

شیعہ محدثین اور فقہا نے اس نکاح پر چار مسائل کی بنیاد رکھی ہے۔ اور ان چار مسائل میں اس واقعہ کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔

۱۔　پہلا مسئلہ یہ کہ اگر کسی عورت کا خاوند فوت ہو جائے تو وہ عورت ایّام عدت کہاں گزارے؟ خاوند کے گھر میں یا جہاں چاہے۔ اس مسئلہ میں بھی اس واقعہ کو بطور دلیل پیش کیا گیا کہ ضروری نہیں کہ اپنے خاوند کے گھر ہی ایّام عدت گزارے، بلکہ جہاں چاہے گزارے۔ کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ اُن کی زوجہ اور اپنی صاحبزادی سیدہ اُمّ کلثوم کو اپنے گھر لے گئے تھے اور وہاں انہوں نے اپنی عدّت کے دن گزارے۔

۲۔　دوسرے وراثت کے مسئلہ میں اس کو بطور دلیل پیش کیا گیا۔ کیونکہ سیّدہ اُم کلثوم اور ان کے بیٹے زید بن عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ایک ہی وقت میں ہوا، لہٰذا معلوم نہیں ہو سکا کے کون کس کا وارث تھا؟

۳۔　تیسرا مسئلہ یہ کہ اگر ایک مرد اور ایک عورت کا جنازہ اکٹھا ہو جائے تو دونوں پر ایک ہی نمازِ جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔ اور دلیل میں سیدہ اُمّ کلثوم اور زید بن عمر رضی اللہ عنہ کے جنازہ کو پیش کیا گیا کہ ان دونوں پر حضرات حسنین اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور دوسری روایت کے مطابق سعید بن العاص الاموی رضی اللہ عنہ نے اکٹھی نماز جنازہ پڑھائی۔

۴۔　چوتھا مسئلہ یہ کہ کیا بنو ہاشم کی عورت کا غیر بنی ہاشم میں نکاح جائز اور درست ہے؟ اس مسئلہ کے جواز کے لیے بھی بطور دلیل فقہائے شیعہ نے اس واقعہ کو پیش کیا ہے کہ اگر بنو ہاشم کی عورت کا نکاح غیر بنی ہاشم میں جائز نہ ہوتا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی اُمّ کلثوم کو جو سیدہ فاطمہ کے بطن سے تھیں غیر ہاشمی شخص امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کیوں بیاہ دیتے؟ اگر ان دونوں کے نکاح کا واقعہ غلط ہے تو پھر یہ مسائل بھی غلط ہیں جن کی اس واقعہ پر بنیاد رکھی گئی ہے۔

۵۔　نہج البلاغۃ کی شرح ابن ابی الحدید میں سیدہ اُمّ کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ کے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ ہونے کو کئی جگہوں پر نقل کیا گیا ہے۔ ایک جگہ تو عطر اور خوشبو کے سلسلہ میں اس چیز کو یوں بیان کیا:

وجّه عمر الی ملک الرّوم بریداً فاشترت اُمّ کلثوم امرأة عمر طیباً بدنانیر و جعلته فی قارورتین و اهدتهما الی امرأة ملک الروم فرجع البرید الیها و معه ملاء قارورتین جواهر فدخل الیها عمر و قد صبّت الجواهر فی حجرها فقال من این لک؟ فاخبرته فقبض علیه و قال هذا للمسلمین.

قالت کیف و ھو عوض ھدیتی قال بینی و بینک ابوکِ فقال علی علیه السلام لکِ منه بقیمة دینارکِ و الباقی للمسلمین جملة لان برید المسلمین حمله. (شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید، جلد:۴، ص:۵۷۵، بیروت)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بادشاہِ روم کی طرف ایک ایلچی بھیجا۔ اُمّ کلثوم زوجۂ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے چند دینار کی خوشبو لے کر اور دو شیشیوں میں بھر کر بادشاہِ روم کی بیوی کو تحفہ کے طور پر بھیجی۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایلچی واپس آیا تو وہ اس خوشبو کے بدلے میں دو شیشیاں جواہر کی بھری ہوئی لایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا جبکہ اُن کی زوجۂ محترمہ سیدہ اُمّ کلثوم ان موتیوں کو اپنی جھولی میں لیے بیٹھی تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ موتی کہاں سے آئے؟ سیدہ اُمّ کلثوم نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہ سارے موتی پکڑ لیے اور فرمایا یہ سب مسلمانوں کے ہیں (صرف تمہارے نہیں) سیدہ اُمّ کلثوم نے کہا یہ کیسے؟ کیونکہ یہ تو میرے ہدیے کا معاوضہ ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اچھا اس کا فیصلہ میرے اور تمہارے درمیان تمہارے ابا (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) کریں گے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان موتیوں میں سے تمہارے دینار کی قیمت کے موتی تمہارے ہیں اور بقیہ تمام مسلمانوں کے ہیں کیونکہ مسلمانوں کا ایلچی ان کو اٹھا کر لایا ہے۔

اسی کتاب میں ایک اور واقعہ نقل ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کی بیعت نہ کی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انہیں بلا کر بیعت کے لیے کہا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر دوسرے سب حضرات نے آپ کی بیعت کر لی تو میں بھی کر لوں گا۔ پہلے روز بھی یہی بات ہوئی اور دوسرے روز بھی۔ لیکن تیسرے روز ایک شخص نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے آ کر یہ کہا:

ان ابن عمر قد خرج الیٰ مکّة یفسد الناس علیک فامر بالبعث فی اثره. فجاء ت اُم کلثوم ابنته فسألته و ضرعت الیه فیه و قالت یا امیر المؤمنین ان خرج الیٰ مکة لیقیم بھا و انه لیس بصاحب سلطان و لا ھو من رجال ھذا الشأن و طلبت الیه ان یقبل شفاعتھا فی امره لانه ابن بعلھا فاجابھا و کف عن البعثة الیه.

کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ مکہ کی طرف لوگوں کو آپ کی خلاف برانگیختہ کرنے کے لیے چلا گیا ہے۔ پس سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اُس کے پیچھے کسی شخص کو بھیجنے کا حکم فرمایا۔ (یہ بات سن کر) سیدہ اُم کلثوم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی آپ کی پاس آئی اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں سفارش کی اور کہا، اے امیر المؤمنین! اگر عبداللہ رضی اللہ عنہ مکہ کی طرف چلا گیا ہے تو وہاں رہنے کے لیے گیا ہے۔ آپ کے خلاف لوگوں کو ورغلانے کے لیے نہیں گیا کیونکہ وہ کوئی صاحبِ اقتدار نہیں ہے اور نہ اس مزاج کا ہے۔ اور سیدہ اُم کلثوم نے چاہا کہ عبداللہ کے بارے میں اس کی سفارش قبول کی جائے۔ کیونکہ عبداللہ رضی اللہ عنہ اُن کے خاوند (عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ) کا بیٹا ہے، چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ اُم کلثوم کی سفارش قبول کر لی اور عبداللہ کے پیچھے آدمی بھیجنے سے رک گئے۔ (ابن ابی الحدید، جلد:۴، ص:۱۱، مصر)

ابن ابی الحدید نے شیعہ ہونے کے باوجود سیدہ اُمّ کلثوم کے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے نکاح کے واقعہ کو مختلف انداز اور مختلف طریقوں سے اپنی کتاب میں کئی مقامات پر نقل کر کے یہ تاثر دیا ہے کہ اس نکاح کے انعقاد میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ اور اہلِ بیتِ نبوت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں دوستانہ بھائی چارے کی فضا میں زندگی گزارتے تھے۔ کیونکہ رشتہ داری دوست اور بھائی بند ہی آپس میں کرتے ہیں۔ دشمن اور آپس میں عداوت رکھنے والے تو آپس میں دامادی اور سمدھی ہونے کے تعلقات استوار نہیں کرتے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

(شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید، جلد:۷، ص:۱۳۹، جلد:۱۲، ص:۷۶، مصر۔ جلد:۴، ص:۵۷۵، جلد:۳، ص:۱۲۴، بیروت)

شیعہ حضرات کی مختلف کتابوں سے یہ صرف چند حوالہ جات نقل کیے گئے ہیں، وگرنہ قریباً ہر کتاب میں کسی نہ کسی رنگ میں اس نکاح کا اقرار موجود ہے۔ طوالت کے خوف سے صرف اختصار کو اختیار کیا گیا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات نے اپنی بھیڑوں کو اپنے ساتھ رکھنے کے لیے اس نکاح کا تو انکار نہیں کیا، لیکن اُن کے اذہان میں یہ شبہ ڈالنے کی سعی ناکام کی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ چونکہ صاحبِ اقتدار تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ رعایا۔ لہٰذا یہ نکاح تو ضرور ہوا لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جبر واکراہ سے اپنی صاحبزادی کا نکاح اُن سے کر دیا۔ دلی طور پر نہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس نکاح سے راضی تھے اور نہ ہی اُن کی صاحبزادی سیدہ اُمّ کلثوم۔ یہ شبہ اور اس نکاح کی یہ تاویل اس قدر واہی اور کمزور ہوا ہے کہ کوئی سمجھ دار اور پڑھا لکھا آدمی تو کجا، ایک جاہل اور احمق شخص بھی اس کو قبول نہیں کر سکتا۔ اور ''جاہل گفت ابلہ باور کرد'' کی مثال اس پر منطبق ہوتی ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو اسد اللہ الغالب تھے۔ شیرِ خدا تھے، کوئی بزدل تھوڑے تھے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ڈر کر اور خوف زدہ ہو کر اپنی لڑکی اُن کو بیاہ دیتے۔ وہ تو خیر القرون تھا، اس گئے گزرے دور میں بھی کوئی شخص اپنے دشمن سے اپنی لڑکی نہیں بیاہتا۔ لاکھ دھونس اور دھاندلی ہو، ایک نادار اور قلاش بلکہ کمزور اور ناتواں شخص بھی اپنی غیرت کے لیے مر جاتا ہے۔ دوسرے خاندان نہ سہی خاندانِ بنو ہاشم ہی کے لوگوں کی اچھی خاصی تعداد اس وقت موجود تھی جو اس معاملہ میں مزاحمت کر سکتی تھی لیکن تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ کسی نے بھی ذرہ برابر مزاحمت نہ کی، بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خاندانِ نبوّت سے ازدواجی تعلقات قائم کرنے کی خواہش کو پوری خوش دلی سے پورا کیا۔ پھر یہ کہنا کہ:

فامّا تزويجه بنته فلم يكن ذالک عن اختيار والخلاف فيه مشهور. (کتاب الشافی، ص:۱۶، ایران)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اپنی صاحبزادی کا نکاح کرنا اپنی مرضی اور اختیار سے نہ تھا۔ اور اس میں اختلاف مشہور ہے۔

یہ بے اختیاری اور مجبوری کس وجہ سے تھی؟ یہ وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔ کیونکہ یہ تو کہہ دیا گیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ نکاح بے اختیاری سے کیا لیکن کوئی عذر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے منہ سے نہ کہلوایا گیا کہ میں اس وجہ سے اپنی بچی کی شادی آپ سے نہیں کرنا چاہتا۔ یعنی یہ کہ میں آپ کو پسند نہیں کرتا۔ یا آپ کی عمر زیادہ ہے اور اُمّ کلثوم کی عمر کم ہے یا آپ

بدصورت ہیں۔اس قسم کا کوئی عذر بھی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بیان نہیں کیا۔ بلکہ تاریخ کے اوراق یہ بتاتے ہیں کہ ادھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس خواہش کا اظہار فرمایا، اُدھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قبول فرمالیا۔ یہ چیز اس بات کی صریحاً غمازی کرتی ہے کہ یہ رشتہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے برضا ورغبت کیا اور بنی عدی اور بنو ہاشم کے مابین رشتۂ مؤدت و محبت کو استوار اور پختہ کرنے کے لیے کیا۔ اور اس لیے کیا کہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ مسلمان تھے۔ چنانچہ شیعہ حضرات نے خود اس بات کا اقرار کیا ہے کہ جب پوچھا گیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی لڑکی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کیوں بیاہ دی؟ تو جواب دیا گیا کہ:

''بواسطہ آنکہ اظہار شہادتین می نمود بزبان واقرار بفضل حضرت امیر می کرد''

اس لیے یہ نکاح کیا گیا کہ عمر رضی اللہ عنہ دو شہادتوں (توحید ورسالت) کا اقرار کرتے تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عظمت کے بھی قائل تھے۔

(مجالس المؤمنین، جلد:۱،ص:۴۵۱،تہران، مناقب شہر آشوب ص:۲۷۵ بیروت، تہذیب المتین فی تاریخ امیر المؤمنین، جلد:۱،ص:۲۸۷، دہلی)

پھر ہمیں تاریخ کے اوراق میں یہ بھی ملتا ہے کہ ایک مرتبہ سیدہ اُمّ کلثوم نے ایک بات پر اپنے میکے آکر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اپنے ابا سے شکایت کی (وہ شکایت بھی یار لوگوں نے فرضی بنائی ہوئی ہے) تو جواب میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی سے فرمایا:

''اے فرزند! اوشوہرِ تُست۔اے بیٹی! وہ تیرا شوہر ہے۔(اُس کی شکایت نہیں کرنی چاہیے)

تاریخ اس بات کی بھی شہادت دیتی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس نکاح سے غرض وغایت نہ کوئی دشمنی تھی اور نہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کوئی انتقام لینا تھا بلکہ اُن کا مقصدِ نکاح صرف اور صرف خاندانِ نبوّت سے اپنا ازدواجی رشتہ منعقد کرنا تھا۔ چنانچہ سیدہ اُم کلثوم سے نکاح کے بعد انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم (مہاجرین وانصار) سے فرمایا کہ مجھے ''مبارک باد دو'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کس بات کی مبارک باد؟ فرمایا:

تزوجت ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم یقول کلّ سبب و نسب و صھر ینقطع یوم القیامۃ الاّ سببی و نسبی و صھری.

میں نے اُمّ کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے شادی کر لی ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا، کل قیامت کو ہر تعلق اور سسرالی رشتہ منقطع ہو جائے گا۔ صرف میرا تعلق، نسب اور سسرالی رشتہ باقی رہے گا۔ (ابن ابی الحدید، جلد:۳،ص:۱۲۴، بیروت۔ ناسخ التواریخ، تاریخ الخلفاء، جلد:۲،ص:۲۹۶۔ مستدرک حاکم، جلد:۳،ص:۱۴۲۔ کتاب الخصال لابن بابویہ القمی،ص:۱۲۳۔ کنز العمال، جلد:۷،ص:۹۸ طبع قدیم)

معلوم ہوا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مومن اور اپنا محبّ سمجھتے ہوئے اپنی

دامادی کا شرف عطا فرمایا تھا، نہ کہ ان کے رعب میں آکر جبر واکراہ سے اپنی صاحبزادی ان کے حبالہ عقد میں دی تھی۔ اور جبر و اکراہ کی جس قدر روایات ہیں وہ ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل ہیں۔ وگرنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر بے غیرتی اور بزدلی کا ایسا بدنما داغ لگتا ہے جس کو اُن کے سارے نام نہاد محبّ بھی اگر دھونا چاہیں تو دھو نہیں سکتے۔ اندازہ فرمایئے کہ ایک طرف تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بہادری کی مختلف داستانیں گھڑی گئیں اور ان کے منہ سے یہ کہلوایا گیا کہ:

''اگر سارا عرب بھی میرے مقابلہ میں آجائے تو میں اُن کی گردنیں اتارنے میں جلدی کرتا رہوں گا۔''

(نہج البلاغہ، خطبہ: ۴۵، ص: ۱۴۸۔ مناقب آل ابی طالب، جلد: ۳، ص: ۳۶۱)

اور دوسری طرف یہ کہ انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے خوف زدہ ہو کر اپنی صاحبزادی سیدہ اُمّ کلثوم کا نکاح جبر واکراہ کے ساتھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ ان دونوں باتوں میں کسی معقول آدمی کو کوئی مطابقت نظر نہیں آتی۔ کیونکہ کہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ شیرِ خدا، فاتحِ خیبر، اسد اللہ الغالب اور کہاں اس قسم کی بزدلی کا مظاہرہ؟

ایک شبہ کا ازالہ:

سیدہ اُمّ کلثوم کے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں آنے پر بعض حضرات کی طرف سے ایک شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ جو اُمّ کلثوم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی نہ تھیں بلکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ یہ بات بھی تاریخی اور عقلی طور پر غلط ہے کیونکہ:

۱۔ شیعہ حضرات کی متعدد روایات میں آتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ اُمّ کلثوم کے گھر آئے اور ان کو عدت گزارنے کے لیے اپنے گھر لے گئے۔ (ملاحظہ ہو: فروع کافی، جلد: ۲، ص: ۳۱۱، باب المتوفی عنہا زوجہا المدخول بہا این تعتدّ وما یجب علیہا، الاستبصار، جلد: ۳، ص: ۱۸۵، ۱۸۶۔ تہذیب الاحکام، ص: ۲۳۸، باب عدۃ النساء وغیرہم)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی ہی کو گھر لے جا سکتے تھے۔ پرائی بیٹی کو کیسے اپنے گھر لے جا سکتے تھے اور وہ بھی اپنے دشمن کی بیٹی کو۔

۲۔ کسی شیعہ امام نے یہ نہیں لکھا کہ اُمّ کلثوم بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں تھیں۔ بلکہ وہ تو اُمّ کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ کو ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی مانتے تھے۔

۳۔ کسی محدث اور مؤرخ نے یہ نہیں لکھا کہ اُمّ کلثوم بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں بلکہ اُن کا نکاح اور لوگوں سے ہوا۔ چنانچہ طبقات ابن سعد میں ہے کہ:

''اُمّ کلثوم بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ اُن کی والدہ کا نام حبیبہ بنت خارجہ تھا۔ ان کی شادی شروع میں طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن مرو بن کعب کے ساتھ ہوئی جن سے دو بچے پیدا ہوئے زکریا اور یوسف۔ چنانچہ جب طلحہ بن عبید اللہ جنگِ جمل میں شہید ہو گئے تو پھر اس کی شادی عبدالرحمٰن بن عبداللہ کے ساتھ ہوئی۔ اور ان سے اُن کے الاحول موسیٰ، اُمّ حمید اور اُمّ عثمان نامی بچے پیدا ہوئے۔ (طبقات ابن سعد، جلد: ۸، ص: ۴۶۲، بیروت)

سید صبیح ہمدانی

قطب الارشاد، شیخ المشائخ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری نوّر اللہ مرقدہٗ

کا ایک الہامی افادہ

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت، صحابہ رضی اللہ عنہم کے منصب محفوظیت کے ساتھ ساتھ بشری ابتلا اور باہمی اختلافات وغیرہ کی حکمت وحیثیت کی ایک معرفت آمیز توجیہ''

جماعتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آنحضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد رسالت کی عملی گواہی ہے۔ یہ جماعت اپنی نہاد میں دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تجسیم وتنفیذ کی اوّلین شکل ہے۔ اس مبارک جماعت کے افراد وارکان دین فہمی اور دین حاصل کرنے کا سب سے پہلا اور سب سے بنیادی ذریعہ ہیں۔

دینِ اسلام یعنی عبادات، عقائد اور معاملات واخلاق کا وہ نظام جو سید ولد آدم سیدنا ومولانا محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اس دین کا ہم تک اور ہر زمانے تک پہنچنے کا واسطہ اور ذریعہ صرف اور صرف یہی قدسی صفت نفوس طیبہ ہیں۔ اور چونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس دین کی حفاظت کا ذمہ بذاتہ تعالیٰ خود لے رکھا ہے اس لیے اس جماعت کی بحیثیت مجموعی وبحیثیت افراد دین داری اور ثقہ وعادل وامین ہونے کو بھی اللہ تعالیٰ کا تکوینی فیصلہ سمجھا جاتا ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں اسے محفوظیتِ صحابہ کہا جاتا ہے۔

بعض ناخواندہ، کم علم اور کمزور طبیعت کے لوگ جب سیرت صحابہ میں مذکور بہت سے جھوٹے اور چند سچے ایسے واقعات کو دیکھتے ہیں جن میں کسی صحابی سے کسی بشری کمزوری کا ارتکاب نظر آتا ہے۔ تو خدانخواستہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت سے بدگمان ہو کر عظیم اعتقادی گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اختلافاتِ صحابہ اور مشاجراتِ صحابہ کے بارے میں ہر زمانے میں علما نے صحیح وصائب فکر کی طرف اُمّت کی رہنمائی فرمائی ہے۔

پیش آمدہ سطور میں شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس اللہ سرہٗ کا ایک ملفوظ نقل کیا گیا ہے جس میں ان مسائل کی ایک نہایت شان دار اور بے غبار توجیہ کی گئی ہے جو اپنی شان کے اعتبار سے بلاشبہ الہامی ہے۔

قائد احرار جانشینِ امیر شریعت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری نوّر اللہ مرقدہٗ جو خود بھی ایک واسطے (حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ) سے صاحب ملفوظ کے سلسلے سے منسلک تھے، اس ملفوظ سے بہت محبت رکھتے تھے اور اپنے خطبات میں اہتماماً سنایا کرتے اور اپنے جریدے ''الاحرار'' میں شائع بھی فرمایا۔

ملفوظ کے الفاظ غیر معمولی روحانیت اور وجدانی حظ و سرور کے حامل ہیں۔ پڑھیے اور قلب و نظر کی طراوت اور ایمان کی تازگی و قوت حاصل کیجیے۔

''ایک مرتبہ بعدِ عصر حسبِ معمول آپ صحنِ باغ میں چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے اور چاروں طرف مونڈھوں پر خدام حاضرین کا ایک کثیر مجمع چاند کا ہالہ بنائے بیٹھا تھا کہ راؤ مراد علی خان صاحب نے حضرات صحابہ کرام کی باہمی جنگ و رنجش کا تذکرہ شروع کر دیا۔ اور اس پر رائے زنی ہونے لگی کہ فلاں نے غلطی کی اور فلاں کو ایسا نہ کرنا چاہیے تھا۔ یہاں تک نوبت پہنچی تو دفعتاً حضرت کو جوش آ گیا اور مہر سکوت ٹوٹ گئی کہ جھر جھری لے کر حضرت سنبھلے اور فرمایا:

''راؤ صاحب ایک مختصر سی بات میری سن لیجیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مخلوق کو قیامت تک پیش آنے والی تمامی ضروریات دین و دنیا سے باخبر کرنے کے لیے تشریف لائے تھے، اور ظاہر ہے کہ وقت اتنی بڑی تعلیم کے لیے آپ کو بہت ہی تھوڑا دیا گیا تھا۔ اس تعلیم کی تکمیل کے لیے ہر قسم کے حوادث و واقعات پیش آنے کی ضرورت تھی۔ (تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عملِ مبارک ہر معاملہ میں شمعِ ہدایت بن جائے) کہ اُن پر حکم اور عمل مرتب ہو تو دنیا سیکھے کہ فلاں واقعہ میں یوں ہونا چاہیے۔ پس اصول کے درجہ میں کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں رہا جو حضرت روحی فداہ کے زمانۂ بابرکت میں حادث نہ ہو چکا ہو۔ اب واقعات تھے دو قسم کے، ایک وہ جو منصبِ نبوّت کے خلاف نہ تھے، وہ تو خود حضرت پر پیش آئے مثلاً تزویج اور اولاد کا پیدا ہونا، اُن کا مرنا دفنانا، کفنانا وغیرہ۔ تمام خوشی و غمی کے واقعات حضرت کو پیش آ گئے اور دنیا کو عملاً یہ سبق مل گیا کہ عزیز کے مرنے پر ہم کو فلاں فلاں کام کرنا مناسب ہے اور فلاں نامناسب۔ اور کسی کی ولادت، ختنہ اور نکاح وغیرہ کی خوشی کے موقع پر یہ بات جائز ہے اور یہ خلافِ سنّت۔ مگر وہ واقعات باقی رہے جو رسول پر پیش آویں تو عظمتِ رسالت کے خلاف ہو اور نہ پیش آویں تو تعلیمِ محمدی ناتمام رہے۔ مثلاً زنا چوری وغیرہ ہو تو اس طرح سے حد و تعزیر ہونا چاہیے۔ اور باہم جنگ و قتال یا نفسانی اغراض پر دنیوی امور میں نزاع اور رنجش ہو تو اس طرح اصلاح ہونا چاہیے۔ یہ اُمور ذاتِ محمدی پر پیش آنا کس طرح مناسب نہ تھے۔ اور ضرورت تھی پیش آنے کی (اگر اس وقت جاری نہ ہو جاتیں تو کون جاری کرتا کہ اب اس کے باوجود بھی لوگ کنارہ کش ہو رہے ہیں) لہٰذا حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے نفوس کو پیش کیا کہ ہم خدّام و غلام آخر کس مصرف کے ہیں؟ جو اُمور حضرت کی شان کے خلاف ہیں وہ ہم پر پیش آویں۔ اور حکم و نتیجہ مرتب کیا جاوے تاکہ دین کی تکمیل ہو جائے۔ چنانچہ حضراتِ صحابہ پر وہ سب کچھ پیش آ گیا جو آئندہ قیامت تک آنے والی مخلوق کے لیے رشد و ہدایت بنا۔ اور دنیا کے ہر بھلے، برے کو معلوم ہو گیا کہ فلاں واقعہ میں یہ کرنا اور اس طرح کرنا مناسب ہے۔ اور یہ کرنا اور اس طرح کرنا نامناسب ہے۔ پس کوئی ہوا ایسا باہمت جاں نثار جو تکمیلِ دینِ محمد کی خاطر ہر

ذلت کو عزت اور عیب کو ہنر سمجھ کر نشانۂ ملامت بننے پر فخر کرے؟ اور بزبانِ حال کہے:

نَشوَد نصیبِ دشمن کہ شوَد ہلاکِ تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

شہرت و نیک نامی اور عزت و نام آوری سب چاہا کرتے ہیں۔ مگر اس کا مزہ کسی عاشق سے پوچھو کہ جاں نثاری میں کیا لطف ہے؟ اور کوچۂ معشوق کی ''ننگ و عار'' کیا لذیذ شے ہے؟

از ننگ چہ گوئی مرا نام زِ ننگ است
دار نام چہ پُرسی کہ مرا ننگ زِ نام است

سچے عاشق تو اس طرح ہماری طرح اصلاح و تعلیم کی خاطر اپنی عزت و آبرو نثار کریں، اور ہم اُن کے منصف اور ڈپٹی بن کر تیرہ سو برس کے بعد اُن کے مقدمات کا فیصلہ دینے کے لیے بیٹھیں۔ اور نکتہ چینیاں کر کے اپنی عاقبت گزاری کریں؟ اس سے کیا حاصل؟ اگر ان جواہراتِ سنیّہ کے قدر دان نہیں بن سکے تو کم سے کم بدزبانی و طعن ہی سے منہ بند رکھیں۔

اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِی اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ مِنْ بَعْدِیْ غَرَضاً۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہ سے ڈرو! میرے صحابہ کے متعلق کہ اُن کو میرے بعد نشانۂ ملامت نہ بنالیجیئو۔

(تذکرۃ الخلیل ص:۲۴۶۔۲۴۷، طبع ثانی ۱۳۹۰ھ، ۱۹۷۱ء، مطبوعہ کراچی۔ مؤلف: حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ)

☆......☆......☆

امام اہلِ سنّت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

خلیفۂ راشد سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

فضائل ومناقب اور سیرت وکردار

لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْم بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا وَ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ . (سورت الحدید، آیت:۱۰)

نہیں ایک جیسے ہوسکتے تم میں سے وہ لوگ جنھوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا فتحِ مکہ سے پہلے اور اللہ کے لیے لڑائی کی، وہ لوگ بڑے درجے والے ہیں۔ اُن آدمیوں سے جنھوں نے خرچ کیا اس کے بعد اور جہاد کیا، اور ویسے سب کے ساتھ وعدہ کیا ہے اللہ نے اچھائی کا اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو۔ وہ سب جاننے والا ہے۔

اس فرمان کے ذریعہ واضح اعلان کر دیا گیا ہے کہ کوئی صحابہ متقدمین ہوں یا متاخرین۔ درجات ان کے الگ الگ ہیں لیکن اللہ نے جنت ان کے لیے خاص کردی ہے۔ فرماتے ہیں میں جانتا ہوں جنھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ مکہ میں پڑھا سب سے آگے وہ ہیں۔ جو بعد میں آئے اُن کا درجہ بعد میں ہے کچھ وہ ہیں جنھوں نے پہلے کلمہ بھی پڑھا، صدقات وخیرات بھی کیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیسے سے مدد بھی کی۔ جہاد میں چندہ بھی دیا جان بھی لڑائی اور کچھ وہ ہیں جو بعد میں آئے جنھوں نے حدیبیہ اور عمرۃ القضا کے بعد ے ھ میں اسلام قبول کیا، جیسے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور جنھوں نے ہجرت ختم ہونے کے وقت اسلام قبول کیا جیسے امیر معاویہ یا حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بڑے سوتیلے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اماں حضرت ہند رضی اللہ عنہا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دوسرے سوتیلے بھائی عَنْبَسَہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بہنیں۔ یہ کون لوگ ہیں؟ جنھوں نے فتحِ مکّہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ اسلام ان کا مقبول ہے لیکن ان کا وہ درجہ نہیں ہوسکتا جو ابوبکر وعمر اور عثمان وعلی رضی اللہ عنہم کا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی گرد کو بھی دوسرا نہیں پہنچ سکتا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کون ریس کرسکتا ہے؟ عمر رضی اللہ عنہ کی کون ریس کرے گا؟ عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کی کون ریس کرے گا؟ علی بچے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا تو یہ نیا معاملہ سمجھ میں نہیں آیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تایا کے بیٹے اور عمر کے لحاظ سے اُن کے بڑے بھائی بھی تھے تو آپ سے کہنے لگے: ''بھائی! یا اخی ما ذا کنتَ تفعلُ؟ یہ آپ کیا کام کررہے تھے۔ فرمایا: ''اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ عرض کرنے لگے: ''ان اذکر عند ابی طالب'' میں اپنے ابا ابوطالب کو جا کر بتاؤں؟ تو فرمایا: ''لا ان شئتَ قم معی و

الا فلا تفعل ” اگر کرنا ہے کام تو ہمارے ساتھ مل کر یہیں کرلو۔ نماز یہیں پڑھ لو۔ ابھی کسی کو بتانے کی اجازت نہیں۔ یعنی ابھی ابّا کو بھی نہیں بتانا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف قبل از وقت ہی راز ہو جائے گا۔ علی نے اس وقت سے آپ کو نمازیں پڑھتے دیکھا پھر دس سال کی عمر میں کلمہ پڑھ لیا۔ ان کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اہم ترین اور خاص فضیلت کیا ہے کہ سن سات ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد ابا سے چھپ کر مکہ مکرمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ جب کہ آپ عمرہ کے لیے وہاں تشریف لے آئے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ حضرت ہند رضی اللہ عنہا بھی وہیں موجود تھیں۔ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بھی وہیں موجود تھے خود ابوسفیان بھی وہیں مکہ میں اردگرد موجود تھے۔ لیکن حضرت معاویہ نے ماں، باپ اور بھائی بہنوں کو پتا نہیں چلنے دیا۔ خود فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا وَ كَتَمْتُ اِسْلَامِی میں نے اپنے اسلام کو چھپایا۔ کس سے؟ عَنْ اَبِیْ میں نے اپنے باپ سے چھپایا۔ مجھے خطرہ تھا کہیں میری پٹائی نہ ہو جائے تو آپ کے کان میں مَیں نے کہا تھا کہ: یا رسول اللہ! میں آپ کا کلمہ پڑھ چکا ہوں۔ خود فرماتے ہیں۔ امام ابن حجر عسقلانی نے سن سات ہجری کے واقعات کے اندر بخاری کی شرح میں اور اسماء الرجال میں اپنی مشہور کتاب الاصابہ میں لکھا ہے۔ تو جو شخص بے وقوفی اور حماقت سے یا جہالت سے کہے کہ جی امیر معاویہ کے اسلام کا تو پتا ہی کوئی نہیں۔ امیر معاویہ کا اسلام تو ایسا ظاہر اور یقینی ہے کہ کئی سو صحابہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے انہوں نے عمرۃ القضا کے موقع پر مکہ مکرمہ میں امیر معاویہ کے اسلام کا مشاہدہ کیا۔ اہلِ بیت کے اپنے گھر کی روایت ہے یعنی سیدنا حسین شہید رضی اللہ عنہ کے پوتے اور حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کی جو وہ روایت کرتے ہیں سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے۔ وہ کہتے ہیں خود معاویہ بیان کرتے ہیں اور ہم نے خود دیکھا۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتے میں دادا زاد بھائی ہوتے ہیں۔ دوسرے دادا کی اولاد سے بھائی ہوتے ہیں اور بھائی کے لڑکوں کو کیا کہتے ہیں؟ آپ لوگ، بھتیجا۔ بہن کے لڑکوں کو کیا کہتے ہیں؟ بھانجا۔ اور بھائی کے لڑکوں کو کیا کہتے ہیں؟ بھتیجا تو امیر معاویہ، حضرت علی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے مشترکہ بھتیجے ہیں۔ اس لیے سوچ سمجھ کر بات کرنی چاہیے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کیا، سعی کی، صفا و مروہ میں سات پھیرے لگائے۔ عمرہ تو اتنا ہی ہوتا ہے نا؟ کہ طواف کے سات پھیرے۔ اور پھر عمرہ کرنے والا سعی اور پھر حلق یا قصر کرے تو وہ حلال اور فارغ ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے لیے مکہ میں بغیر احرام کے رہنا اور گھومنا جائز ہے، مزید حجامت، خوشبو اور سلے ہوئے کپڑے کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔ یہ میں نے پچھلے سال بھی تفصیل سے سمجھایا تھا آج پھر دہرا دیتا ہوں کیونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل اور مناقب میں اُن کے اسلام کی شہادت میں یہ واقعہ آتا ہے اس لیے اس کو یاد رکھیں کہ اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر لمبے بال تھے۔ اور یہ وقت کون سا ہے؟ عمرۃ القضا کا۔ سال کون سا ہے؟ سن سات ہجری

کا۔اس موقع پر احرام کھولنے پر آپ نے سر مبارک پر استرہ نہیں لگوایا۔ یہ بات خاص طور پر یاد رکھنا۔ پچھلے سال میں نے بتایا تھا کہ اس بات پر پوری اُمّت کا اتفاق ہے کہ عمرۃ القضا میں آپ نے سر مبارک پر استرہ نہیں لگوایا۔اس دن بال کاٹے تھے قینچی سے یا قینچی جیسے لوہے کے تیز پترے سے جس کو مشقص کہتے ہیں خیر تو وہ مشقص اور پترا جو تھا کس کے ہاتھ میں تھا؟ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں۔ نئے احکام آجانے کے بعد پھر کسی کافر نائی سے آپ نے کبھی حجامت نہیں بنوائی اور کسی کافر کا ہاتھ آپ کے جسدِ مبارک کو کبھی نہیں لگا۔ اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت بھی کافر ہی ہوتے تو آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دیتے بلکہ صحابہ مشتبہ جان کر معاویہ کی گردن اڑا دیتے کہ کیا معلوم ہے یہ آپ کی گردن پر ہاتھ ڈالنے کی نیت سے ہی آ گیا ہو۔لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو قریب تر کرلیا۔ یہ دلیل تھی کہ معاویہ اب ہر لحاظ سے اپنا ہے، آپ نے سیکڑوں صحابہ کے سامنے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے جسم پر ہاتھ لگانے دیا۔ یہ دلیل تھی کہ مسلمان اور پاک ہو چکا ہے اور پھر اُن سے بال کٹوائے تو بتا دیا کہ اس کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ عمرۃ القضا میں میرا نائی بھی معاویہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نائی بننا کیا کوئی معمولی فضیلت ہے؟ آپ کے دروازہ کا تو کوئی بھنگی بھی بن جائے تو سمجھو کہ جنت کی ٹھیکے داری مل گئی۔ آپ کے دروازہ پر جوتیاں سنبھالنے کی بھی کسی کو سعادت مل جائے تو سمجھو جنت اور دنیا سے بڑی بادشاہی مل گئی۔

حدیبیہ سے خالی ہاتھ مدینہ کو اور سن سات ہجری میں عمرۃ القضا کے لیے مکہ پہنچنے کا موقع ملنا یہ اللہ کی فرمودہ اور وحی کے ذریعہ سے موعودہ ''فتحِ مبین'' کا پیش خیمہ بنا۔اور حجۃ الوداع سے مکہ میں بااختیار داخلہ اور بااقتدار مکمل قبضہ اس فتح مبین کا حقیقی مظاہرہ تھا اور اس عمرے کے موقع پر قینچی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک کی جو حجامت بنوائی وہ ''حلق'' یعنی سر مونڈنے کی نہیں تھی بلکہ قینچی کے ساتھ قصر کی تھی۔اور یہ یاد رکھو کہ آپ نے حجۃ الوداع میں جو حجامت بنوائی ہے وہ استرے کے ساتھ ہوئی ہے اور جو حجامت سن سات ہجری میں حدیبیہ کے اندر ہوئی ہے وہ قینچی کے ساتھ تھی۔اور قینچی کے ساتھ بال کاٹنے والا کون ہے۔اونچی آواز سے کہیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یہ اسی لیے کہ آپ نے اس دن ''قصر'' کیا ہے۔''حلق'' نہیں کیا۔ حجۃ الوداع میں جو دس ہجری میں ہوا۔ پوری اُمّت کا اتفاق ہے کہ ''حَلَقَ رأسہ'' آپ نے سر مبارک پر استرا چلوایا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے سوتیلے والد حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے استرے سے بال مونڈے۔ وقَسَمَ شَعرَہٗ بَیْنَ اَصْحَابِہٖ اور آپ کے سر مبارک کے اپنی زلفوں کے بال بہ طور تبرک تھوڑے تھوڑے کر کے صحابہ میں تقسیم کر دیے تھے۔ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس بڑا سا گچھا قابو میں آ گیا۔ وہ انہوں نے تھیلی میں رکھا ہوا تھا......جب مدینہ میں کسی کی موت قریب آتی تھی تو اس کے وارث آجاتے تھے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس، کہ یا سیّدی اعطنا شَعْراً منْ شَعر النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ و سلّم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں سے دو چار بال دے دیجیے۔ ہمارا فلاں آدمی دنیا سے جا رہا ہے اس کی چھاتی یا منہ پر رکھیں گے قبر میں برکت ہو جائے گی۔ دوزخ کے عذاب سے

بچ جائے گا۔ تو ابوطلحہ وہ بال تقسیم کیا کرتے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس اُس قصر والی حجامت کے بال موجود تھے اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس ''حلق'' والی حجامت کے بال موجود تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی موت کے وقت وصیت کی تھی۔ اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی وصیت کی تھی کہ جب میں مر جاؤں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک میری آنکھوں پر، میرے منہ پر، میری ناک پر رکھ دینا۔ حالانکہ صحابی بخشے ہوئے ہیں لیکن نبی کا مقابلہ کون کرسکتا ہے؟ غیر نبی ہونے کی وجہ سے خدا کے سامنے ہر ایک کو دھڑکے میں رہنا چاہیے کہ وہ بے نیاز بادشاہ ہے پکڑ لے تو اس کو کون پوچھ سکتا ہے؟ یہ صحابہ کی نیازمندی ہے، صحابہ کا عجز اور انکسار ہے۔ یہ اُن کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفاداری اور ایثار کا اثر اور نمونہ ہے کہ وہ باوجود کائنات میں سب سے بڑے متقی اور بخشے ہوئے ہونے کے پھر بھی ڈرتے تھے کہ وہ مالک ہمارے کسی قصور سے ناراض ہو کر ہمیں جہنم میں نہ پھینک دے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ہر غیر معصوم کو کسی بھی جرم میں اللہ تو پھینک سکتا ہے حالانکہ خدا نے وعدہ کیا ہے کہ صحابہ لازماً بلاحساب جنت میں جائیں گے۔ خدا اُن کو شرمندہ نہیں کرے گا۔ لیکن جو جتنا نیک ہوتا ہے جو جتنا بادشاہ کا مقرب ہوتا ہے وہ اتنا ہی بادشاہ کی ناراضی کے خوف سے لرزتا ہے۔ صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اللہ کے مقرب بنے تھے۔ اس لیے اس کی بے پناہی سے اُس کی جباریت اور اس کی قہاریّت سے اتنا ہی زیادہ ڈرتے تھے کہ جو مالک سب سے بڑا ہے اگر وہ پوچھ لے تو ہم اس کو جواب دے سکتے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجامت کے وقت میں رکھ لیے تھے۔ گھر والوں کو، بیوی کو، بچوں کو، سب کو کہا کہ ان ناخنوں کو رگڑ وسل پر، ان کا جو سفوف بن جائے وہ میرے ہونٹوں پر لگا دینا اور یہ بال میرے نتھنوں میں رکھ دینا۔ میری آنکھوں کے اُوپر رکھ دینا تاکہ میں قبر کے عذاب سے، جہنم کی آگ سے بچ جاؤں۔ چنانچہ وفات کے وقت یہ سب چیزیں اُن کے پاس امانت تھیں وہ یوں ہی رکھی گئیں۔ اور پھر فرمایا کہ:

''میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک چادر سوا لاکھ روپیہ کے عوض میں خرید کر رکھی ہوئی ہے مجھے کفن اس کا پہنا دینا اور پھر مجھے ارحم الرّاحمین کے سپرد کر دینا۔''

چنانچہ آپ کی وہ چادر مبارک سفید اور کالی دھاریوں والی یمنی چادر جسے ''برد یمانی'' بھی کہتے ہیں اور دو ہوں تو ان کو ''حلّہ یمانیہ'' یعنی جوڑا اور سوٹ بھی کہتے ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کفن میں نصیب ہوئی۔ آپ کے ناخنوں کا شیرہ نصیب ہوا۔ آپ کے بال ہائے مبارک کا چورا اور بالوں کے ٹکڑے نصیب ہوئے۔ جنت تو انہیں پہلے بھی حاصل تھی اب تو جنت الفردوس میں بیٹھے ہیں۔ اُن کو کون دھمکی دے سکتا ہے؟ وہ تو کوئی موذی اور شیطان کا ایجنٹ ہوگا جو اُن کے متعلق بُرا لفظ کہے...... اللہ میاں تو چھٹیاں دے چکا ہے کہ ''جاؤ موج کرو، میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔''

(پندرہ روزہ ''الاحرار'' لاہور، جلد ۱۸، شمارہ ۱۱، ۱۲۔ ستمبر ۱۹۸۸ء)

☆......☆......☆

حضرت شوقی اسعدی، انبالویؒ

نذرانۂ عقیدت

بحضور امیر المؤمنین، خلیفۂ راشد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

روشن زمانے میں ہے وقارِ معاویہ　　رحمت کے لاکھ پھول نثارِ معاویہ
وہ عظمت و جلال کے پیکر معاویہ　　رفعت میں مہر و ماہ کے ہم سر معاویہ
وہ معتمد جناب رسولِ کریم ﷺ کے　　وہ مستحق عنایتِ ربِّ رحیم کے
یارانِ مصطفی ﷺ میں مسلّم ہے اُن کا نام　　عدل و سخا کو اُن سے ملا رتبۂ دوام
وہ عرصۂ جہاد کے مردِ جلیل ہیں　　اورنگِ اقتدار کے مردِ کفیل ہیں
وہ کاتب کلام و پیامِ خدا بھی ہیں　　ہاں وہ دبیرِ خواجۂ لولا لما بھی ہیں
وہ جانشینِ اوّل سبطِ رسول ﷺ ہیں　　بے شک مجازِ سیّدِ ابنِ بتول ہیں
تدبیر و انتظامِ حکومت میں بے نظیر　　اسلامیانِ دہر کے مانے ہوئے امیر
خوفِ خدا و پیرویٔ شرع میں وحید　　اسلام کے قیام و بقا میں شہِ فرید
وہ خوئے حلم و عفو و عطا میں بہت بلند　　بزمِ صحابِ پاک کے اک فردِ ارجمند
وہ جاں نثار شاہِ رسالت مآب کے　　وہ رازداں شریعتِ اُمّ الکتاب کے
بینا کسی کی چشمِ حقیقت اگر نہیں　　شانِ معاویہ کو ذرا بھی خطر نہیں

اُن کے تعلقات شہِ دوسرا ﷺ سے ہیں
راضی خدا ہے اُن سے، وہ راضی خدا سے ہیں

محمد یوسف طاہر قریشی

امیر المؤمنین، امام المتقین، خال المسلمین، ہادی ومہدی انام، فاتح روم وشام، خلیفۂ راشد

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

(تاریخ وصال: ۲۲/رجب ۶۰ھ، دمشق)

محبتِ رسول ﷺ ہے محبتِ معاویہ　　عداوتِ رسول ہے عداوتِ معاویہ
خلوص و عفو و درگزر کے پیکرِ جمیل تھے　　زمانہ دے گواہیِ فراستِ معاویہ
جدھر گئے شجاعتوں کے نقش چھوڑتے گئے　　ہے ملک ملک جانتا شہامتِ معاویہ
مسیلمہ ہوا تھا فی الجحیم ان کے ہاتھ سے　　ہے آسمان شاہدِ شجاعتِ معاویہ(۱)
وہ انتظام و انصرامِ مملکت میں طاق تھے　　رہی سدا ہی کامراں سیاستِ معاویہ(۲)
بڑے ہی خوش مزاج وخوش خصال وخوش سلوک تھے　　مثالِ بدر ضوفشاں ہے سیرتِ معاویہ
امین تھے اسی لیے شریکِ کاتبین تھے　　مسلّمہ ہے بالیقیں امانتِ معاویہ
خطیبِ خوش بیان تھے لبیبِ خوش زبان تھے　　فسوں دلوں پہ کرتی تھی فصاحتِ معاویہ(۳)
رسولِ پاک نے اُنہیں دعائیں بے شمار دیں　　اسی سے آشکار ہے سعادتِ معاویہ(۴)
وہ فاتحِ عظیم تھے وہ ''سیدِ کریم'' تھے(۵)　　عیاں جوان و پیر پہ مروّتِ معاویہ
علی بھی حق، معاویہ بھی حق پہ تھے، ہے حق یہی　　سعید ہیں جو جان لیں حقیقتِ معاویہ
اگر تھا اختلاف تو غنی کے خوں بہا کا تھا　　قصاص کرتی تھی طلب حمیّتِ معاویہ
علی کو گھیر رکھا تھا غنی کے قاتلین نے　　وگرنہ ان کے دل میں تھی محبتِ معاویہ(۶)
کنانہ بن بشر سے لوگ تھے علی کے اِردگرد　　وہی تو تھے مخالفِ خلافتِ معاویہ
سبائیوں نے ان کے درمیاں لگائی جنگ تھی　　سبائیوں کے دل میں تھی عداوتِ معاویہ(۷)
معاویہ کو ناپسند تھی علی سے دشمنی　　علی نہ ہونے دیتے تھے اہانتِ معاویہ(۸)
صحابِ مصطفیٰ ﷺ میں ایک ان کا بھی مقام ہے　　اگرچہ ہے علی سے کم فضیلتِ معاویہ
محبتِ علی ہے نور میری ایک آنکھ کا　　تو دوسری کا نور ہے محبت معاویہ
کِھلے ہیں بیعتِ حسن سے امن کے حسیں کنول　　سکھائی ہے انہوں نے ہی اطاعتِ معاویہ
حسن حسین پہ کھلا رہا ہے باب جود کا　　پیا ہے سب نے ساغرِ سخاوتِ معاویہ(۹)
انہیں تو خاص پیار تھا نبی کے اہلِ بیت سے　　حسن حسین شاہدِ عقیدتِ معاویہ

علی معاویہ شعاعیں ایک آفتاب کی محبتِ علی حسن ، محبتِ معاویہ
مجھے اے طاہرِ حزیں ملے گا جامِ انبساط
جو دل میں لہلہائے گی محبتِ معاویہ

☆☆☆

(۱) البدایہ والنہایہ، جلد: ۸، ص: ۱۱۷ (۲) آپ رضی اللہ عنہ کا روز کا معمول تھا کہ رات کے ایک تہائی حصے تک اخبارِ عرب، ایامِ عرب وعجم، ملوکِ عجم اور اُنکی سیاست، بادشاہانِ عالم کی لڑائیوں، مکاریوں اور گزشتہ اُمتوں کے حالات وغیرہ کا مطالعہ فرماتے رہتے اور اس بات کو تو تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا شمار عرب کے مشہور پانچ زیرکوں اور سیاست دانوں میں ہوتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ)
(۳) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فصاحت وبلاغت کے متعلق مشہور شیعہ مؤرخ ''ابن طقطقی'' لکھتا ہے: ''**کان (معاویة) حکیمًا فصیحًا بلیغًا.** (الفخری، ص: ۱۷۳) (۴) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اوصافِ حمیدہ کے باعث سرکارِ دوعالم، قائدِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے حق میں بہت سے دعائیں ارشاد فرمائیں مثلاً: ''**اللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ و مَکِّنْہُ فِی الْبِلَادِ. اللّٰھُمَّ عَلِّمِ معاویة الکتاب و الحساب وقه العذاب. اللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیًا مھدیًا و اھدِ بِهٖ.** (۵) حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ انہیں اسی نام سے یاد کرتے تھے۔ (۶) اہلِ سنت والجماعت میں سے کوئی بھی شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو متہم نہیں کرتا کہ آپ کا قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ میں ہاتھ تھا نہ اس زمانہ میں نہ زمانہ ماقبل میں اس پر کسی کا اعتقاد تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عبداللہ بن سبا، کنانہ بن بشر، مالک الاشتر نخعی، حکیم بن جبلہ، محمد بن ابی بکر، محمد بن ابی حذیفہ وغیرہ سارے کے سارے ''قاتلانِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے اُن کے لشکر میں موجود تھے بلکہ چند ایک نے اعلیٰ عہدے بھی حاصل کر لیے تھے۔ مالک الاشتر کمانڈر انچیف، محمد بن ابی بکر ایک صوبے کے گورنر تھے اس کے باوجود اہلِ سنت نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا کہتے ہیں نہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو کہ دونوں حق پر تھے اُن کی کوئی بات دین میں فتنہ پیدا کرنے والی نہ تھی، مقصد سب کا دین اور کلمۃ اللہ کی سربلندی تھی۔ (۷) جنگِ جمل سے ایک روز قبل مخلصین اور خیر خواہانِ اُمت کے دخل سے دونوں جماعتوں میں صلح ہونے والی تھی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کا مطالبہ مان چکے تھے۔ اب قاتلانِ عثمان کا ماتھا ٹھنکا کہ ہمیں قصاص میں قتل کیا جائے گا کیوں نہ اس صلح کو خطرناک جنگ میں تبدیل کر دیا جائے چنانچہ یہ لوگ جن میں حکیم بن جبلہ، کنانہ بن بشر، مالک الاشتر، الغافقی بن حرب، خالد بن ملجم، سودان بن احمر سرفہرست تھے۔ سازش کر کے آدھے آدھے دونوں جماعتوں میں گھس کر حملہ آور ہو گئے (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے سمجھا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے حملہ کر دیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے سمجھا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے حملہ کر دیا) اس کے نتیجہ میں ہزاروں لوگ قتل ہو گئے جن میں حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ بھی تھے۔ (البدایہ والنہایہ، جلد: ۷، ص: ۲۳۹۔ طبری، جلد: ۵، ص: ۲۰۲۔۲۰۳) (۸) اہلِ عراق میں سے کچھ لوگوں نے فیصلہ تحکیم کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے لشکر کے متعلق دشنام آمیز زبان استعمال کرنی شروع کر دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو ایک گشتی مراسلہ اپنے زیرِ تصرف علاقوں میں بھیجا اور اُن کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعلیٰ وارفع مقام سے آشنا کروا کر اس عملِ شنیع سے منع فرمایا۔ (نہج البلاغہ، جلد: ۲، ص: ۱۱۸) عبداللہ بن صفوان الجمعی کہتے ہیں کہ صفین کے شرکا میں سے ایک شخص نے کہا ''**اَللّٰھُمَّ الْعَن اھل الشام**'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فرمایا اہلِ شام کو گالی نہ دو کیونکہ وہاں ابدال رہتے ہیں، وہاں ابدال رہتے ہیں، وہاں ابدال رہتے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ، جلد: ۸، ص: ۲۰) (۹) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رعایا اور اس کی آسائش وآرام کے لیے بیت المال کا منہ کھول رکھا تھا خصوصاً سیدنا حسن، سیدنا حسین، سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا زین العابدین اور سیدنا عبداللہ بن جعفر کو سالانہ دس دس لاکھ درہم وظیفہ دیا جاتا تھا۔ (شرح ابن ابی الحدید، جلد: ۳، ص: ۸۲)

حافظ عبید اللہ

اہل مدینہ کا قبرستان (جنت البقیع)

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی سید المرسلین وعلی آلہ و اصحابہ اجمعین

مدینہ منورہ (جس کا پرانا نام یثرب تھا) دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک ہے، تقریباً سنہ 622 عیسوی میں اللہ نے اس شہر کو شرف بخشا جب اس شہر اور اسکے مکینوں نے رحمۃ للعالمین ﷺ کے لئے اپنے بازو کھول دیے اور مکہ کے دریتیم کو اپنے دامن میں چھپا کر ہمیشہ کیلئے عظمت کا تاج اپنے سر پر سجا لیا، وہ دن اور آج کا دن رحمۃ للعالمین ﷺ کا کوئی غلام ایسا نہیں جس کا دل مدینہ منورہ کی زیارت کے لئے نہ تڑپتا ہو، جسے نبی کریم ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھنے کا اشتیاق نہ ہو اور جس کا دل اپنے آقا ﷺ اور آپ کے ساتھیوں اور جان نثاروں پر درود و سلام بھیجنے کیلئے بے قرار نہ ہو۔

مؤرخین نے مدینہ منورہ، اسکی تاریخ، اسکی مساجد اور دوسرے تاریخی مقامات کے بارے میں بہت تفصیل سے لکھا ہے، بندہ کو بھی صرف اللہ جل شانہ کے لطف و کرم سے مدینۃ الرسول ﷺ کی زیارت کا متعدد بار شرف حاصل ہوا، مسجد نبوی، روضۃ الرسول، جبل احد اور مسجد قبا کے بعد میرا دل جس مقام کی زیارت کیلئے بے قرار رہتا ہے بلکہ کھنچا چلا جاتا ہے وہ ہے اہل مدینہ کا قبرستان یعنی **بقیع غرقد** جسے عرف عام میں جنۃ البقیع کہا جاتا ہے، کیوں نہ ہو؟ خود نبی کریم ﷺ اکثر کبھی دن اور کبھی رات کے وقت بقیع میں تشریف لے جاتے اور اہل بقیع کے لئے دعاء و استغفار فرماتے، صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک طویل حدیث ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ: آپ کے رب نے آپ کے لئے حکم دیا ہے کہ آپ بقیع والوں کے پاس جائیں اور انکی مغفرت کے لئے دعا فرمائیں (صحیح مسلم، باب ما یقال عند دخول القبور و الدعاء لأھلھا)۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا (امرتُ أن أدعو لھم) مجھے انکے لئے (اہل بقیع کے لئے) دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے (مسند احمد)۔

میں کوئی تاریخ نگار یا مصنف و ادیب تو ہوں نہیں تاہم زائرین جنۃ البقیع کے لئے اسکی تاریخ، اسکی فضیلت، زیارت کے آداب اور اس میں دفن چند مشہور ہستیوں کے ذکر پر مشتمل ایک مختصر تحریر سپرد قلم کر رہا ہوں۔

عربی میں **البقیع** اس کھلی جگہ کو کہا جاتا ہے جس میں جنگلی درخت اور جھاڑیاں بکثرت پائی جاتی ہوں، جنۃ البقیع کی جگہ پر بھی ایک بڑے بڑے کانٹوں والی جنگلی جھاڑی بکثرت پائی جاتی تھی جسے **غرقد** کہا جاتا ہے اسی وجہ سے اس مقام کو **بقیع الغرقد** کہا جاتا ہے، یہ قبرستان مسجد نبوی ﷺ کی مشرقی سمت واقع ہے، جب نبی کریم ﷺ اور مسلمان ہجرت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے اور اسکی آبادی بڑھنے لگی اور ایک قبرستان کی ضرورت پیش آئی تو آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے یہ جگہ (جو اس وقت مدینہ منورہ کی آبادی سے باہر تھی) مسلمانوں کے دفن کے لئے مقرر فرمائی اور فرمایا اُمِـرتُ

بھذا الموضع مجھے اس جگہ کے بارے میں حکم دیا گیا ہے (مستدرک حاکم)

مؤرخین کا اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کا ہے کہ بقیع میں سب سے پہلے کسے دفن کیا گیا؟ کچھ علماء ومؤرخین کے نزدیک سب سے پہلے دفن ہونے والے حضرت اسعد بن زرارہ انصاری ہیں جو ہجرت کے صرف نو ماہ بعد ہی فوت ہوگئے، جبکہ زیادہ تر مؤرخین کے مطابق بقیع میں سب سے پہلے دفن ہونے والے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ہیں، یہ غزوہ بدر کے بعد فوت ہوئے، علماء نے دونوں اقوال میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ انصار میں سے سب سے پہلے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ اور مہاجرین میں سے سب سے پہلے بقیع میں دفن ہونے والے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ہیں واللہ اعلم۔

سنہ 2 ہجری میں غزوہ بدر کے بعد حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فوت ہوئے، یہ مہاجرین میں سے پہلے صحابی تھے جو مدینہ منورہ میں فوت ہوئے، انکی وفات پر نبی کریم ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور آپ ﷺ نے حضرت عثمان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور آپ کو بقیع میں دفن کرنے کا حکم فرمایا اور انکی قبر پر ایک پتھر بھی نشانی کے طور پر نصب فرمایا تا کہ انکی قبر ڈھونڈنے میں آسانی رہے، اور فرمایا **اتعلم به قبر اخی و ادفن الیه من مات من اھلی** میں نے یہ پتھر اس لئے لگایا ہے تا کہ مجھے اپنے بھائی (عثمان بن مظعون) کی قبر کا پتہ رہے اور میرے اہل وعیال میں سے جو بھی فوت ہوا نہیں عثمان بن مظعون کی قبر کے پاس ہی دفن کروں (سنن ابی داود، سنن بیہقی)، اسکے بعد جب بھی کوئی مسلمان فوت ہوتا تو صحابہ کرام آپ ﷺ سے دریافت فرماتے **این ندفنه یا رسول الله**؟ اے اللہ کے رسول ہم اسے کہاں دفن کریں؟ تو آپ ﷺ فرماتے عثمان بن مظعون کے پاس (مستدرك حاكم وغيره)

اس طرح بقیع نے ایک قبرستان کی شکل اختیار کر لی اور مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ وہاں دفن ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، تاریخ کی کتابوں میں ذکر ملتا ہے کہ اس قبرستان میں دس ہزار سے زیادہ تو صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدفون ہیں، تابعین، تبع تابعین اور دوسرے اکابرین امت اسکے علاوہ ہیں۔

اس قبرستان میں سب سے پہلی توسیع حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی جب انہوں نے اس باغ کو بقیع میں شامل کیا جس میں خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دفن کیا گیا تھا، یہ باغ بقیع سے متصل اسکی مشرقی سمت واقع تھا اسکا نام حش کوکب تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ملکیت تھا (لسان العرب، مادہ حشش اور **النھایة فی غریب الحدیث**) آپ کی شہادت کے بعد فتنہ پردازوں کی وجہ سے آپ کو اس باغ میں دفن کیا گیا چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس باغ کو بقیع میں شامل کر دیا جو اس قبرستان کی پہلی توسیع تھی۔

اسکے بعد ہمیں کتب تاریخ میں اس قبرستان کی کسی قابل ذکر توسیع کا ذکر نہیں ملتا یہاں تک کہ شاہ فیصل بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا دور حکومت آگیا انہوں نے زمین کا تقریباً 5929 میٹر مربع رقبہ اس میں شامل کیا، شاہ فہد بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے دور حکومت میں ایک بار پھر اس میں توسیع کی گئی اور اسطرح اس قبرستان کا کل رقبہ 174962 مربع

میٹر ہو گیا، اسکے گرد 4 میٹر بلند اور 1724 میٹر طویل چاردیواری بنا دی گئی۔

مدینہ منورہ میں مرنے اور بقیع میں دفن ہونے کی فضیلت:

متعدد احادیث میں مدینہ منورہ میں مرنے اور دفن ہونے کی فضیلت بیان ہوئی ہے، چند فضائل یہاں ذکر کیے جاتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **من مات بأحد الحرمين بُعث من الآمنين يوم القيامة** جو حرمین (مکہ اور مدینہ) میں سے کسی ایک میں فوت ہو گیا (اور وہاں دفن ہوا) تو قیامت کے دن امن کے ساتھ اٹھایا جائے گا

(سنن البيهقي ، سنن دار قطنی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **من استطاع أن يموت في المدينة فليمت فاني أشفع لمن يموت بها** جسے یہ موقع ملے کہ وہ مدینہ میں فوت ہو تو اسے چاہیے کہ وہیں فوت ہو جائے کیونکہ میں مدینہ میں مرنے والوں کے لئے شفاعت کروں گا **(جامع ترمذی و مسند احمد)**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام قیس بن محصن رضی اللہ عنہا سے بقیع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا **أترين هذه المقبرة يبعث الله منها سبعين ألفاً يوم القيامة علي صورة القمر ليلة البدر يدخلون الجنة بغير حساب** تم یہ مقبرہ (یعنی بقیع) دیکھ رہی ہو؟ اس قبرستان سے قیامت کے دن اللہ ستر ہزار ایسے لوگوں کو اٹھائے گا جو چودھویں رات کے چاند کی مانند ہوں گے اور وہ بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل کیے جائیں گے۔

(مستدرک حاکم ،المعجم الكبير للطبرانی)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ رات کے آخری حصے میں بقیع میں تشریف لے جاتے تھے اور وہاں مدفون لوگوں کے لئے دعا فرماتے تھے جس میں یہ الفاظ بھی ہوتے تھے **(اللهم اغفر لأهل بقيع الغرقد)** اے اللہ بقیع غرقد والوں (یعنی یہاں دفن ہونے والوں) کی مغفرت فرما۔

(صحيح مسلم وغیرہ)

الغرض مدینہ منورہ میں موت اور بقیع میں دفن ہونے کے انہی فضائل کیوجہ سے ہر مسلمان کی یہی خواہش اور دعا ہوتی ہے کہ اسکا آخری وقت مدینہ میں آئے اور اسکا آخری ٹھکانہ (قبر) جنت البقیع میں بنے۔

آج بھی مدینہ منورہ کا مرکزی قبرستان یہی ہے اور مدینہ منورہ میں وفات پانے والوں کی یہاں تدفین کی جاتی ہے، کیونکہ مدینہ کی آبادی میں بھی مسلسل اضافہ ہو رہا ہے نیز زائرین کی تدفین بھی یہاں کیجاتی ہے اور جگہ کی تنگی کے باعث انتظامیہ کو پرانی قبروں کی جگہ پر بھی نئی قبر بنانی پڑتی ہے اس مقصد کے لئے پانچ سال یا اس سے زیادہ پرانی قبروں کو کھولا جاتا ہے اور وہاں نئی میت کو دفن کیا جاتا ہے لیکن قبرستان کے اس پرانے حصے کی قبریں نہیں کھولی جاتیں جو تاریخی اہمیت کا حامل ہے، لوگوں نے بتایا کہ مدینہ منورہ کی شہری انتظامیہ کے پاس اس قبرستان کا تفصیلی نقشہ موجود ہے اور جب بھی کوئی نئی قبر یہاں بنائی جاتی ہے اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ نئی قبریں اس جگہ سے دور بنائی جائیں جہاں

صحابہ کرام اور اہل بیت رسول ﷺ کی قبریں ہیں واللہ اعلم۔

بقیع میں دفن کے لئے لحد کا طریقہ اپنایا جاتا ہے جس میں پہلے زمین میں ایک گڑھا کھودا جاتا ہے جیسے ہمارے ہاں عام طور پر قبر تیار کی جاتی ہے پھر اس گڑھے کی دیوار کے نچلے حصے میں اندر کی طرف (ایک سائیڈ میں) کھدائی کر کے میت کو رکھنے کی جگہ بنائی جاتی ہے، وہاں میت کو رکھ کر اسکے آگے پتھر کی سلیں یا لکڑی کے تختے رکھ کر اسے بند کر دیا جاتا ہے اور پھر باقی قبر میں مٹی ڈال دی جاتی ہے۔

بقیع میں مدفون چند مشہور صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین:

صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی تعداد یہاں مدفون ہے بلکہ بعض کتب تاریخ وسیر میں یہاں تک ملتا ہے کہ دس ہزار کے قریب تو یہاں صرف صحابہ کرام آرام فرما رہے ہیں جن میں چند مشہور نام یہ ہیں

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف قرشی، حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلی، حضرت عبداللہ بن ابی بکر الصدیق، حضرت ابی بن کعب انصاری، حضرت اسامہ بن زید، حضرت اوس بن ثابت، حضرت اسعد بن زرارہ، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت حسان بن ثابت، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ، حضرت سلمہ بن الاکوع، حضرت عبداللہ بن ثابت انصاری، حضرت عبداللہ بن کعب انصاری، حضرت عقبہ بن مسعود ہذلی، حضرت قتادہ بن نعمان، حضرت کعب بن مالک، حضرت مقداد بن الاسود حضرمی، حضرت ابو ہریرہ الدوسی، حضرت ماریہ قبطیہ (ام ابراہیم)، حضرت ام رومان (زوجہ حضرت ابوبکر صدیق) رضی اللہ عنہم وارضاہم اجمعین۔

لیکن مرور زمانہ کے ساتھ اکثر صحابہ کرام کی قبروں کی حتمی جگہ کسی کو معلوم نہیں صرف چند قبریں ایسی ہیں جن کی پہچان اور جگہ کا تعین اہل مدینہ کے اندر نسل در نسل چلا آ رہا ہے اور مؤرخین جیسے نورالدین سمہودی نے (**وفاء الوفا باخبار دار المصطفی**) میں اور محمد بن یعقوب فیروز آبادی نے (**المغانم المطابة فی معالم طابة**) میں انکا بیان کیا ہے، ہم بھی زائرین جنت البقیع کے لئے مختصر طور پر انکا ذکر کرتے ہیں، ہم نے کوشش کی ہے کہ جنت البقیع کے مسجد نبوی کی طرف سے مرکزی دروازے میں داخل ہونے والے کی آسانی کے لئے ترتیب کے ساتھ قبروں اور انکا محل وقوع بیان کیا جائے، نیز یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ محل وقوع صرف اور صرف اہل مدینہ کی نسل در نسل منتقل ہوتی معلومات کی بناء پر ہے، لہٰذا ان معلومات میں سہو اور غلطی کا امکان بہر حال موجود ہے، یہی بات جنت البقیع میں موجود سعودی علماء کرام بھی بار بار کرتے ہیں، آپ ان سے سوال کریں کہ یہ قبر کس کی ہے؟ تو وہ یا تو کہیں گے **اللہ اعلم** (اللہ بہتر جانتا ہے) یا کہیں گے کہ: کہا جاتا ہے کہ فلاں کی ہے (یعنی وہ یقینی طور پر کچھ نہیں کہتے) اور ہمارے سادہ لوح حضرات سمجھتے ہیں کہ وہ علماء جان بوجھ کر نہیں بتاتے۔

بنات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم:

مسجد نبوی کی سمت سے مرکزی دروازے سے جنت البقیع میں داخل ہوں تو بالکل سیدھا چلتے ہوئے تقریباً 30 میٹر کی دوری پر آنحضرت ﷺ کی تین بیٹیوں (حضرت زینب، حضرت ام کلثوم اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہن) کی

قبریں ایک ساتھ ہیں۔

دوسرے اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

بنات الرسول ﷺ کی قبروں کے سامنے کھڑے ہوں تو وہاں سے دائیں طرف تقریباً 25 میٹر کی دوری پر دوسرے اہل بیت کرام (حضرت عباس بن عبدالمطلب، حضرت حسن بن علی، حضرت زین العابدین علی بن حسین، حضرت محمد الباقر بن زین العابدین، حضرت جعفر الصادق رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی قبریں ہیں، اور ایک روایت کے مطابق حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بھی یہیں مدفون ہیں۔

نوٹ: شیخ سمہودی نے (وفاء الوفا) میں کچھ روایات ذکر کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے انکے گھر میں ہی دفن کر دیا تھا (اور انکا گھر مسجد کی توسیع کے بعد مسجد نبوی کے اندر آ گیا) لیکن سمہودی نے اسکے بعد مختلف علماء کے اقوال پیش کیے ہیں جنہوں نے ان روایات کو غلط بتایا ہے مثلاً ابن شبہ کا قول کہ (اظن هذا الحديث خطأ) کہ میرے خیال میں یہ بات (حضرت فاطمہ کو انکے گھر میں دفن کرنے والی) غلط ہے، اور پھر وہ رایات پیش کی ہیں جن سے یا ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کو بقیع میں ہی دفن کیا گیا تھا مثال کے طور پر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ انہیں اپنی والدہ کے پہلو میں دفن کیا گیا (اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ بقیع میں دفن ہیں) واللہ اعلم بالصواب۔

ازواج مطہرات رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

بنات رسول ﷺ کی قبروں کے سامنے کھڑے ہوں تو بائیں طرف تقریباً 8 میٹر کے فاصلے پر حضرت خدیجہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما کے علاوہ باقی 9 امہات المؤمنین کی قبریں ہیں (حضرت عائشہ بن ابی بکر الصدیق، حضرت سود بنت زمعہ، حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب، حضرت زینب بنت جحش، حضرت ام سلمہ، حضرت جویریہ بنت الحارث، حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان، حضرت صفیہ بنت حیی، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہن)

نوٹ: حضرت خدیجۃ الکبری کی قبر مبارک مکہ مکرمہ کے قبرستان جنت المعلا میں ہے اور حضرت میمونہ بنت الحارث کی قبر بھی مکہ سے باہر ایک مقام (سرف) میں ہے۔

حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وغیرہ کی قبور:

ازواج مطہرات کی آرامگاہوں سے شمال کیطرف تقریباً 5 میٹر دور حضرت عقیل بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن جعفر طیار اور آنحضرت ﷺ کے چچا حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے ابوسفیان بن الحارث رضی اللہ عنہم کی قبریں واقع ہیں، کتب میں لکھا ہے کہ حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے قبر کے پاس کھڑے ہوکر دعا کرنا باعث قبولیت ہے کیونکہ یہی وہ جگہ ہے جہاں آنحضرت ﷺ رات کے وقت کھڑے ہوکر اہل بقیع کے لئے مغفرت کی دعا فرماتے تھے۔

(المغانم المطابة، وفاء الوفا وغيرهما)

امام دارالہجر ۃ مالک بن انس اوران کے شیخ نافع بن ابی نعیم رحمہا اللہ:

حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی قبر سے مشرق کی طرف تقریباً 10 میٹر کی دوری پر فقہ کے ائمہ اربعہ میں سے ایک امام حضرت مالک بن انس اور انکے ساتھ ہی انکے شیخ حضرت نافع بن ابی نعیم رحمہا اللہ کی قبریں ہیں۔

حضرت عثمان بن مظعون اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی قبر سے مشرقی سمت تقریباً 20 میٹر کی دوری پر حضرت عثمان بن مظعون، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیم، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت اسعد بن زرارہ، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد، اور حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی قبور بیان کی جاتی ہیں۔

شہدائے حرہ:

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے قبر سے تقریباً 75 میٹر دور مشرقی سمت میں واقعہ حرہ میں شہید ہونے والوں کی قبریں ہیں، انکی قبروں کے گرد تقریباً ایک مٹر بلند چاردیواری بھی بنی ہوئی ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (خلیفہ ثالث):

شہداء حرہ کی قبروں سے شمال مشرق کی طرف تقریباً 135 میٹر دور سطح زمین سے نسبتاً بلند جگہ پر خلیفہ ثالث شہید مظلوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک ہے، اس جگہ جنت البقیع کے اندر بنے ہوئے فٹ پاتھوں کا ایک قسم کا چوک بن جاتا ہے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی قبر سے شمال کی جانب تقریباً 50 میٹر کے فاصلے پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر بیان کی جاتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہما:

یہ قبریں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر سے شمال مشرق کی طرف ہیں، یہ پہلے اصل بقیع سے باہر تھیں سنہ 1385 ہجری میں مکمل ہوئی سعودی توسیع کے بعد یہ بقیع کے اندر آ گئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں رضی اللہ عنہن:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیوں حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا اور حضرت عاتکہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کی قبریں بقیع کے مرکزی دروازے میں داخل ہوتے ہی بائیں جانب دیوار کے ساتھ ساتھ جاتے ہوئے تقریباً 40 میٹر کی دوری پر ہیں، یہ بالکل چاردیواری کے ساتھ واقع ہیں۔

عنصر صابری

۲۲ /رجب کے کونڈے

دنیا میں رائج تقویم ماسوائے اسلامی سن وسال کا حساب شمسی گردش سے ہوتا ہے۔ اسلامی تقویم کا آغاز قمر سے ہوتا ہے۔ یعنی یہ نظامِ فطرت کے عین مطابق ہے۔ جب چاند نئے سرے سے مانند ہلال طلوع ہوتا ہے تو اسلامی مہینہ کا آغاز ہوتا ہے۔ قمری تقویم کے لحاظ سے رجب ساتواں مہینہ ہے۔ رجب اس باڑ کو کہتے ہیں جو خُرما کے پھل کو محفوظ رکھنے کے لیے لگائی جاتی ہے۔ نیز رجب چونکہ رجیب سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ تعلیم کے ہیں۔ عرب اس مہینہ کی تعظیم کرتے ہوئے اسے اللہ کا مہینہ کہتے تھے۔ اس مہینہ میں وہ عمرہ جو چھوٹا حج ہے ادا کرتے تھے، اس لیے اس ماہ کا نام رجب رکھا گیا۔ اس ماہ میں رزق کو پاکیزہ کرنے کے لیے زکوٰۃ نکالی جاتی ہے۔ تاکہ مساکین اور ابن السبیل کے حقوق ادا کر دیے جائیں۔ عام عقیدہ کے مطابق ۱۵/شعبان کی رات شبِ براءت کو اللہ تبارک وتعالیٰ رزق کی تقسیم فرماتے ہیں۔ اس سے قبل ہی مسلمان اپنے پاکیزہ رزق کی طلب کے لیے رجب میں اپنے مال کا وہ حصہ جس کو دوسروں کو مستحق سمجھتے ہیں اُنہیں ادا کر دیتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رجب اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے۔ شعبان میرا مہینہ اور رمضان میری اُمّت کا مہینہ ہے۔

دورِ جاہلیّت میں عرب یہ مہینہ آتے ہی اپنے ہتھیار بے کار کر دیتے، انہیں اٹھا رکھتے، راستے محفوظ ہو جاتے۔ مسافر امن میں رہتے۔ کسی کو کسی کا کھٹکا نہ رہتا۔ اس ماہ میں نیکیاں دوگنی ہو جاتی ہیں۔ اس مہینہ کی فضیلت دیگر مہینوں پر ایسی ہے جیسی قرآن حکیم کی دوسری الہامی کتابوں پر۔ شعبان کی فضیلت تمام مہینوں پر ایسی ہے جیسی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت دیگر انبیا علیہم السلام پر۔ اور رمضان کی تمام مہینوں پر ایسی فضیلت ہے جیسی اللہ تعالیٰ کی فضیلت تمام مخلوق پر۔ رجب کی ستائیسویں رات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کا شرف عطا ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد اقصیٰ میں انبیاء سابقین کی امامت کرائی اور ملائکہ ومقربین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ یہ رجب کو شرف حاصل ہے کہ ملائکہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی شب مالکِ حقیقی کے جلووں سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا، جس کا ایک جلوہ دیکھنے کی تاب نہ لا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے تھے۔

موسیٰ ز ہوش رفت بہ یک جلوۂ جمال
تو عین ذات می نگری در تبسّمی

زائد بن عمران رضی اللہ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جب رجب کا چاند دیکھتے تو دستِ مبارک اٹھا کر یہ دعا فرماتے:

''اے اللہ ہم کو رجب اور شعبان میں برکت دے اور ہمیں رمضان تک پہنچا۔''

اسی ماہ رجب کی بائیسویں تاریخ کو دنیائے اسلام کے اس ضیغم کا وصال ہوا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمدِ خاص ہونے کی وجہ سے کاتبِ وحی تھے۔ پادشاہانِ وقت کے نام لکھے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر سے ہمیشہ کے لیے زندہ جاوید ہوگئے۔ ان کی سیاہی پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ معتمدِ خاص رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ۲۲ر رجب ۶۰ ھ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ابدی نیند میں محوِ استراحت ہوئے جن کو تاجدارِ مدینہ، فخرِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے ہادی اور مہدی کے القابات سے نوازا تھا۔

امیر المؤمنین، خال المسلمین، امام المتقین، عصائے اسلام حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے ۲۲ر رجب ۶۰ ھ کو اسلام کی بے بہا خدمت کے بعد وفات پائی۔ روافض جس طرح امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خوشی میں اُن کے مجوسی قاتل ابولؤلؤ فیروز کو بابا شجاع کہہ کر عید مناتے ہیں۔ اسی طرح وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رحلت کی خوشی میں ۲۲ر رجب کو یہ کونڈے کی تقریب مناتے ہیں لیکن پردہ پوشی کے لیے ایک روایت گھڑ کر حضرت جعفر صادقؒ کی طرف منسوب کر دی ہے تاکہ راز فاش بھی نہ ہو اور دشمنانِ معاویہ رضی اللہ عنہ چپکے سے ایک دوسرے کے ہاں بیٹھ کر شیرینی بھی کھالیں اور اپنے لیے تسکینِ قلب بھی حاصل کریں۔ اور اپنی خوشی ایک دوسرے پر ظاہر کریں۔ ان کی تقیہ سازی اور پُر فریب طریقے سے اس نیاز کی دعوت میں سادہ لوح، توہّم پرست، ضعیف الاعتقاد مسلمان بھی اپنی لاعلمی کی وجہ سے شریک ہوجاتے ہیں۔

رجب کے کُونڈے مُعانِدینِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایجاد ہیں۔ ان کا آغاز شمالی ہند کے علاقہ اودھ سے ہوا۔ لکھنؤ اور رام پور کے نوابوں نے رفض کو پروان چڑھانے کے لیے جہاں دوسری قسم کی بدعات کو عام کیا اُن کے ساتھ ۲۲ر رجب کے کونڈوں کی بدعت کو عام کرنے میں خاص حصہ لیا۔ ملاحظہ فرمایئے حکیم عبدالغفور صاحب آنولوی ثم بریلوی اپنے مضمون ''رجب کے کُونڈے'' میں لکھتے ہیں:

''کونڈوں کی رسم بالکل جدید ہے اور اس کی شانِ نزول یہ ہے:

نواب حامد علی خاں والی رام پور اپنی کسی منظورِ نظر رنڈی سے ناراض ہوئے اور عتابِ شاہی کا صدور ہوا۔ اس چالاک کسبی نے نواب صاحب کے مذہبی عقائد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شیعی امام جعفر صادق کے نام سے ایک تراشیدہ افسانہ کے مطابق نواب صاحب کی رضا حاصل کرنے کے لیے ۲۲ر رجب کو کونڈے کیے......

یہ افسانہ اس داشتہ نواب کا اپنا تراشا ہوا نہیں، اس نے تو لکڑ ہارے کی اس داستانِ عجیب کے اتباع میں کونڈے کیے تھے۔ دراصل یہ داستان امیر مینائی مرحوم لکھنوی شاعر کے فرزند خورشید احمد مینائی نے اسی زمانے میں طبع کرا کے اہلِ رام پور میں تقسیم کرادی تھی۔'' (رسالہ صحیفہ اہل حدیث کراچی، ۱۴ر اگست ۱۹۶۰ء)

کونڈے کی نیاز کے بارے میں حضرت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پور ضلع سیالکوٹ کے ایک مرید مصطفیٰ علی خان نے اپنے کتابچہ ''جواہر المناقب'' کے حاشیے پر حامد حسن قادری مرحوم کا یہ بیان درج کیا ہے کہ:

''احقر حامد حسن قادری کو اس داستانِ عجیب لکڑ ہارے کی کہانی کی اشاعت اور ۲۲ر رجب والی پوریوں کی نیاز کے متعلق یہ علم ہے کہ یہ کہانی اور نیاز سب سے پہلے ۱۹۰۶ء میں ریاست رام پوری (یوپی) میں حضرت امیر مینائی لکھنوی کے خاندان سے نکلی ہے۔ میں اس زمانے میں امیر مینائی صاحب کے مکان کے متصل رہتا تھا اور اُن کے خاندان اور ہمارے خاندان میں تعلقات تھے۔''......الخ

درج بالا بیان سے ظاہر ہے کہ رام پور اور روہیل کھنڈ میں اس رسم کا آغاز لکھنوی خاندان ہی کی بدولت ہوا۔

مولوی مظہر علی سندیلوی نے اپنے روزنامچہ میں ۱۹۱۱ء کی ایک نادر یادداشت لکھتے ہیں:

''۱۹۱۱ء آج مجھے ایک نئی رسم دریافت ہوئی جو میرے اور میرے گھر والوں میں رائج ہوئی۔ جو اس سے پہلے میری جماعت میں نہیں آئی تھی، وہ یہ ہے کہ:

''۲۱ر رجب کو بوقت شام میدہ، شکر اور گھی دودھ ملا کر ٹکیاں پکائی جاتی ہیں اور اس پر امام جعفر صادقؒ کا فاتحہ ہوتا ہے اور ۲۲ر رجب کی صبح کو عزیز و اقارب کو بُلا کر کھلائی جاتی ہیں۔ یہ ٹکیاں باہر نکلنے نہیں پاتیں۔ جہاں تک مجھے علم ہوا ہے اس کا رواج ہر ایک مقام پر ہوتا ہے۔ میری یاد میں کبھی اس کا تذکرہ بھی سماعت میں نہیں آیا۔ یہ فاتحہ اب ہر ایک گھر میں نہایت عقیدت مندی کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور یہ رسم برابر بڑھتی جارہی ہے۔''

مناظرِ اسلام مولانا عبدالشکور لکھنویؒ نے اپنے رسالہ ''النجم لکھنؤ'' اشاعت جمادی الاولیٰ ۱۳۴۸ء میں لکھا:

''ایک بدعت ابھی تھوڑے دنوں سے ہمارے اطراف میں شروع ہوئی ہے اور تین چار سال سے اس کا رواج یوماً فیوماً بڑھتا جارہا ہے۔ یہ بدعت کونڈوں کے نام سے مشہور ہے اس کے متعلق ایک فتویٰ بھی بصورتِ اشتہار تین سال سے لکھنؤ میں شائع کیا جارہا ہے۔''

اِسی دور کے ایک شیعہ عالم محمد باقر شمسی کا قول ہے کہ:

''لکھنؤ کے شیعہ میں ۲۲ر رجب کے کونڈوں کا رواج بیس پچیس سال پہلے شروع ہوا تھا۔'' (رسالہ: النجم لکھنؤ)

مندرجہ بالا اقتباسات سے عیاں ہے کہ نصف صدی پیشتر کونڈوں کی رسم لکھنؤ سے شروع ہوئی۔ اس کا نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ سے ثبوت ملتا ہے نہ یہ صحابہ کرام اور ائمہ اسلام سے منقول ہے۔ ۲۲ر رجب جو وفاتِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دن ہے، اس دن تقیہ کی آڑ میں شیعہ خوشی مناتے ہیں۔ کھٹملوں کی طرح یہ رسم بڑھ رہی ہے۔ اب لگے ہاتھوں یہ داستان بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

داستان:

یہ ایک لکڑ ہارے کی منظوم کہانی ہے جو پچاس سال پیشتر سلطان حسین تاجر کتب بھنڈی بازار بمبئی نے ''نیاز نامہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ'' کے عنوان سے طبع کرائی تھی۔ اس کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ:

مدینہ منورہ کا ایک لکڑ ہارا قسمت کا مارا روزی کمانے کسی دوسرے ملک کو چلا گیا۔ اس کی بیوی نے مدینہ منورہ کے وزیر اعظم کے یہاں جھاڑو دینے کی نوکری کر لی۔ ایک دن جب وہ صحن خانہ میں جھاڑو دے رہی تھی تو امام جعفر صادق اس راہ سے یہ فرماتے گزرے:

''کوئی شخص کیسی ہی مشکل اور حاجت رکھتا ہو آج ۲۲ رجب کو پوریاں پکا کر دو کونڈوں میں بھر کر ہمارے نام سے فاتحہ دلا دے تو مراد اس کی پوری ہو۔ اگر نہ ہو تو حشر کے روز اس کا ہاتھ اور ہمارا دامن۔''

یہ سنتے ہی لکڑ ہارن نے اپنے دل میں منّت مانی کہ میرا شوہر جسے گئے ہوئے ۱۲ سال گزر گئے تھے جیتا جاگتا کچھ کمائی کے ساتھ واپس آ جائے تو میں امام کے نام کونڈے کروں گی۔ جس وقت وہ منّت کی نیت کر رہی تھی عین اسی وقت اس کے خاوند نے دوسرے ملک کے جنگل میں جب سوکھی جھاڑی پر کلہاڑی چلائی تو کسی سخت چیز پر لگ کر گری۔ اس نے وہاں کی زمین کھودی تو اسے ایک دفینہ ملا۔ وہ یہ خزانہ لے کر مدینہ آیا۔ اس نے ایک عالی شان حویلی بنوائی اور ٹھاٹھ سے رہنے لگا۔ جب لکڑ ہارن نے اپنی مالکہ وزیر اعظم کی بیوی سے یہ حال بیان کیا تو اس نے کونڈوں کے اثر سے خزانہ ملنے کو جھوٹ سمجھا۔ چنانچہ اس بدعقیدگی کی پاداش میں اسی دن وزیر اعظم پر عتاب شاہی نازل ہوا اور اس کا مال و دولت ضبط کر کے شہر بدر کر دیا گیا۔

جنگل کو جاتے ہوئے وزیر نے بیوی سے پیسے لے کر خربوزہ خریدا اور رومال میں باندھ کر ساتھ لے چلے۔ راستے میں شاہی پولیس نے انہیں شہزادے کے قتل کے شبہ میں گرفتار کر لیا۔ جب بادشاہ کے سامنے رومال کھولا گیا تو خربوزے کی جگہ شہزادے کے خون سے لتھڑا ہوا سر نکلا۔ بادشاہ نے غضب ناک ہو کر حکم دیا کہ کل صبح سویرے اس کو پھانسی دی جائے۔ رات کو قید خانہ میں یہ دونوں میاں بیوی دل میں سوچ رہے تھے کہ ہم سے ایسی کیا خطا ہو گئی ہے جس کی وجہ سے اس حال کو پہنچے۔ یکا یک وزیر کی بیوی کو خیال آیا کہ میں امام کے کونڈے کرنے سے انکار کر بیٹھی تھی۔ اس نے اسی وقت توبہ کی اور مصیبت سے نجات ملنے پر کونڈے بھرنے کی منّت مانی۔

اس کا منّت ماننا تھا کہ حالات کا رنگ پلٹا۔ گم شدہ شہزادہ صبح کو صحیح سلامت واپس آ گیا۔ ان دونوں کو قید سے رہائی ملی۔ وہ واپس مدینے آئے۔ بادشاہ نے وزیر کو دوبارہ وزاتِ عظمیٰ پر بحال کر دیا۔ اور اس کی بیوی نے بڑی دھوم دھام سے امام کے کونڈے بھر کے اپنی منّت پوری کی.....''

یہ لغو کہانی خود ظاہر کرتی ہے کہ اس کا گھڑنے والا کوئی لکھنؤ کا جاہل ہے جسے اتنا بھی علم نہیں کہ مدینہ منورہ میں

تاریخ قبل از اسلام سے لے کر تا ہنوز نہ کبھی کوئی بادشاہ ہوا ہے اور نہ اس کا وزیر اعظم۔ عربوں میں میدے کی پوریاں گھی میں پکا کر کونڈوں میں بھرنے کا اور فاتحہ دلانے کا رواج آج تک نہیں ہوا نہ ہی کونڈے کا برتن وہاں استعمال ہوتا ہے۔ البتہ وہ خلافِ شریعت عمل کرنے والوں کا کونڈا ضرور کر دیتے ہیں۔ جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی عمر میں نہ شام میں اموی دور اور نہ ہی بغداد میں عباسی دور میں وزارت کا کوئی عہدہ قائم ہوا۔ نہ ہی کسی لکڑ ہارے کا قصہ کسی عربی قصہ کہانی میں موجود ہے۔ یہ کہانی ہندی مافوق الفطرت کہانیوں کے اثر سے ترتیب دی گئی ہے۔ دوسرے دن وہ خربوزہ کا سر جوشہزادہ کا سر بنا تھا اور اس سے خون بھی ٹپک رہا تھا وہ کہاں غائب ہو گیا؟ رام لچھمن کے دیس کے خالص ہندو معاشرے میں رہنے والے عوام بھی ہندو دیو مالاؤں کے من گھڑت قصے سُن سُن کر عجائب پرست بن گئے تھے۔ لکھنؤ کے داستان گویوں کو یہ فخر حاصل ہے کہ انہوں نے نوابوں کی سرپرستی میں طلسم ہوش ربا، فسانۂ عجائب جیسی فضول اور طویل داستانیں گھڑ کر ہندو دیو مالاؤں کو بھی مات کر دیا۔ متذکرہ بالا کہانی بھی اسی قبیل کی ہے۔ اس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

کونڈوں کی اس رسم سے اندازہ فرمالیجیے کہ ابنِ سبا کی روحانی اولاد نے اپنے مخالف کا دن منانے کے لیے کیا کیا حیلے بہانے اور عیّاری سے کتنے جتن کیے ہیں ان سے توقع کرنا کہ یہ سچ کہیں گے ناممکن ہے کیونکہ ان کو جھوٹ بولنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔

مناقب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ:

آپ ختم المرسلین محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادرِ نسبتی، کاتبِ وحی و کاتبِ خطوط ہیں۔ بارگاہِ رسالت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہادی اور مہدی کے خطابات عطا ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ هَادِياً مَّهْدِيًّا وَاهْدِ بِهٖ. (جامع ترمذی، جلد: دوم)

اے اللہ! اسے ہدایت دینے والا، ہدایت یافتہ بنا، تاکہ اس کے ذریعے لوگ ہدایت پائیں۔

اَللّٰھُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَ الْحِسَابَ وَ قِهِ الْعَذَابَ. (مُسندِ امام احمد)

اے اللہ! اسے قرآن کا علم اور حساب سکھا اور اسے عذاب سے بچا۔

- **سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:** ''تم قیصر و کسریٰ اور اُن کے علم و دانش کی تعریف کرتے ہو حالانکہ اُن سے عظیم تم میں معاویہ رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔''
- **سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:** ''اے لوگو! تم معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو ناپسند مت کرو کیونکہ تم نے انہیں کھو دیا تو دیکھو گے کہ سر اپنے شانوں سے اس طرح کٹ کٹ کر گریں گے جس طرح حنظل کا پھل اپنے درخت سے ٹوٹ کر گرتا ہے۔'' (البدایہ والنہایہ)

- غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: ''حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح اور ثابت ہے اُس وقت سے جب کہ مصلحتِ عامّہ اور مسلمانوں کے خون کی حفاظت کے پیشِ نظر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کردی۔'' (غنیۃ الطالبین)
- حضرت مجدّد الفِ ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے: ''حضرت عبداللہ ابن مبارک سے پوچھا گیا معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز؟ تو فرمایا: ''وہ غبار جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی معیّت میں جہاد کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہو وہ عمر بن عبدالعزیز سے کئی درجے افضل ہے۔'' (دفتر اوّل، مکتوب ۵۸)
- امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: ''جاننا چاہیے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صحابی ہیں اور وہ زمرۂ صحابہ میں بڑے صاحبِ فضیلت ہیں۔ تم کبھی اُن کے حق میں بدگمانی نہ کرنا اور اُن کی بدگمانی میں مبتلا نہ ہونا ورنہ تم حرام کے مرتکب ہوگے۔'' (ازالۃ الخفا، جلد: اوّل)
- علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی:

و من یکون یطعن فی معاویہ
کذا ھوا کلب من کلاب الھاویہ

''جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرے وہ جہنمی کتوں میں سے ایک کتا ہے۔''

(فتویٰ اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلویؒ، احکامِ شریعت، مسئلہ نمبر: ۲۴)

کیا آپ
- ائمہ مساجد، دینی مدارس کے فضلاء کرام یا معلمات میں سے ہیں؟
- مسجد، مدرسہ، اسکول کے ذمہ دار ہیں؟ ● دین سے محبت کرنے والے عام مسلمان ہیں؟

یقیناً آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلم معاشرے کو اس کی اساس یعنی دینِ اسلام پر برقرار رکھنے میں آپ کا کردار کس قدر اہمیت کا حامل ہے

اسکول، کالج، یونیورسٹی کے طلباء اور طالبات نیز عام مسلمانوں کے لیے دین کی بنیادی تعلیمات پر مبنی

سمر کورس

کے انعقاد کے لیے اپنے پلیٹ فارم پر مراکز قائم کیجیے جس میں شریک ہونے والے شرکاء
● ایمانیات ● ارکانِ اسلام ● تلاوت قرآن کریم مع تجوید ● احادیث ● اسلامی معاشرت ● ضروری مسائل سے واقف ہوسکیں گے
ہم آپ کو مسلم معاشرے کی بہترین خدمت کے لیے صلاحیتوں کے استعمال کی دعوت دیتے ہیں

جید علماء کرام کی زیرِ نگرانی
ادارہ فلاح اُمت فاؤنڈیشن ذیلی ادارہ حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح کے پلیٹ فارم سے آپ کو دعوت عمل دی جارہی ہے

برائے رابطہ: 0322-3596686, 0333-3482248, 021-36374144

نوٹ: ادارہ کورسز کے سلسلے میں نصاب، پینا فلیکس، پمفلٹ اور سندات کی صورت میں تعاون کرتا ہے

مولانا محمود الحسن بدایونی

کونڈا نامہ

کروں پہلے میں حمدِ ربِّ وَدود — ازاں بعد بھیجوں نبی ﷺ پر درود
لکھوں بعد اُس کے وہ باتیں تمام — ڈبویا جنھوں نے ہے مذہب کا نام
ہوئے جن کے باعث ہیں بے اشتباہ — مسلمان سارے ذلیل و تباہ
بتاؤں تمھیں اب وہ باتیں تمام — بنایا ، جنھوں نے ہے اپنا غلام
وہ ہیں چند رسمیں پلید و رذیل — ہوئے جن کے باعث مسلماں ذلیل
کیا بس ہے رسموں نے گمراہ اُنھیں — نہیں دین و ایماں کی پرواہ اُنھیں
جہالت کی رسموں پہ کرنا یقیں — یہی اُن کی دنیا یہی اُن کا دیں؟
کریں رسمِ بدعت میں دولت خراب — نبی کا ہو غصہ ، خدا کا عتاب
و لیکن جہاں پر ہو حکمِ خدا — نہیں اُن سے کھلتا ہے پیسہ ذرا
نہ روزہ ، نماز و نہ حج و زکوٰۃ — سمجھتے ہیں رسموں میں اپنی نجات
گزاریں فسانوں میں تمام راتیں تمام — نہ لیں ہاتھ میں پر خدا کا کلام
سناؤ پیامِ خدا و رسول — کریں گے نہ ہرگز اسے وہ قبول
مگر جب وہ بے ہودہ قصے سنیں — صحیح جان و دل سے انھیں مان لیں
وہ جھوٹے تو قصوں پر کر لیں یقیں — و لیکن حدیثوں پہ ایماں نہیں
رہیں شرک و بدعت پہ ہر دم فدا — لٹائیں وہ بے ہودہ دولت سدا
کریں ہیں وہ دن رات رسمیں ہزار — نہیں جن کی کچھ بھی ہے حد و شمار
اگرچہ ہے رسموں کا قصہ طویل — و لیکن میں کرتا ہوں اس کو قلیل
تو کونڈوں کا کچھ حال اب تم سنو — رجب کے مہینے میں ہوتے ہیں جو
نہ قولِ ائمہ میں اُن کا پتا — نہ دیگر کتابوں میں دیکھا لکھا
جو ہیں دین کے مولوی پیشوا — وہ لکھتے ہیں اُن کو سراسر بُرا
نہ اس بات پر ہو تمہارا یقیں — نہ تم عالموں سے یہ پوچھو کہیں

جو تم عالموں سے یہ پوچھو گے جا — وہ دیں گے تمہیں سب حقیقت بتا
سنو گے جو ان سے تو تم بالیقیں — کہے پر ہمارے کرو گے یقیں
اسے تم ذرہ یاد رکھنا مگر — نہ جانا کہیں نیم مُلّوں کے گھر
وگرنہ کریں گے وہ ایماں خراب — ملے گی نہ پھر تم کو راہِ صواب
یہ کونڈوں کی ہے رسم اچھی نہیں — کہے پر ہمارے کرو تم یقیں
ہے بدعت کا کرنا کہاں پر روا — بتاؤ تو آ کر ہمیں تو ذرا
یہ کونڈوں کی ہے رسم کیوں کر چلی — سنو میں بتاتا ہوں تم کو ابھی
نکالا ہے شیعوں نے پہلے اسے — کریں ہیں مسلماں سبھی اب جسے
وہ ہے جو کہ کونڈوں کی فرضی کتاب — جسے آپ پڑھتے ہیں عالی جناب
رکھا داستانِ عجیب اس کا نام — غلط ہے سراسر جو قصہ تمام
جہالت ہے جس میں سراسر بھری — مصنف ہیں جس کے کوئی لکھنوی
جو قصہ کہ اس میں انہوں نے لکھا — ہے راوی کا اس کے نہیں کچھ پتا
بھری ہے خرافات اس میں تمام — پڑھو ہو جسے تم بصد احترام
جو جاہل ہو سو اس پہ لاوے یقیں — وگرنہ ہے اس میں تو کچھ بھی نہیں
طریقہ جو ہے فاتحہ کا لکھا — نہیں حق سراسر ہے وہ ناروا
طریقہ پہ اس کے ہوں کیوں کر یقیں — شریعت تو ایسا بتاتی نہیں
کریں ہیں مسلمان نہ ایسا بچاؤ — کہ کھاؤ وہیں تم کہیں لے نہ جاؤ
میں کہتا ہوں تم سے سنو تم ذرا — کہ کونڈوں کا کرنا نہیں ہے روا
وگر ہوتا جائز جو ایسا اصول — لگن اپنی بھرواتے حضرت رسول
وہ جعفر سے صادق امامِ انام — کہ رحمت ہو اُن پر خدا کی مُدام
جو چلتے رہے ہیں براہِ ہُدا — نہ پاؤں رہِ حق سے اُن کا ہٹا
تو مانیں تمہارا یہ کیوں کر کلام — کہ رحمت ہو اُن پر خدا کی مُدام
بلا سے ہماری جو چاہو کرو — اماموں کو لیکن نہ رُسوا کرو

نہ مانو گے گر تم کسی کا کہا — تو پاؤ گے عقبیٰ میں اس کی سزا
یہاں پر ہے جو کچھ کہ میں نے لکھا — کریں اس پر انصاف مومن ذرا
بتائیں وہ پھر از برائے خدا — غلط اس میں ہے ہم نے کیا کیا لکھا
وہ ہے کون رسمِ شنیع و خراب — نہ ہوتا ہو باعث سے جس کے عذاب
دیا جن کو ایمان حق نے ذرا — وہ انصاف بے شک کریں اے ولا
نہیں جن کو دنیا میں خوفِ خدا — زباں پر جو آئے کہیں بَر مَلا
جو ہیں مرد دنیا میں پرہیز گار — میں کہتا ہوں اُن سے یہی بار بار
بزرگوں کا جو جو کہ شیوہ رہا — اسے سیکھ لو تم برائے خدا
شریعت کے رستے سدا تم چلو — جو ہے فعلِ مشرک اسے چھوڑ دو
یہ دنیا تو ہے پنج روزہ مقام — نہ ہرگز یہاں پر کرو تم وہ کام
کہ جس سے ہو تم پر خدا کا عتاب — بروزِ قیامت اٹھاؤ عذاب
کرے شرک مسلم یہ زیبا نہیں — یہ مردِ مسلماں کا شیوہ نہیں
رکھے بدعتوں پر جو اپنا یقیں — ہدایت کے رستے پہ ہرگز نہیں
پڑا بدعتوں کا ہو جس پر وبال — ضلالت سے بچنا ہے اس کا محال
رسومِ قبیحہ میں لگ کر مُدام — نہ نفسِ لعیں کے بنو تم غلام
خدا کی ہو دل میں جو عظمت ذرا — اماموں کو سمجھو نہ حاجت روا
بہ وقتِ مصیبت تمہیں دے اماں — بہ جز رب کسی میں یہ طاقت کہاں
رکھو یاد دل میں اُسی کی سدا — دیا کُن سے عالَم ہے جس نے بنا
مُرادیں جو مانگو تو اس کے حضور — کرے گا کرم سے وہ پوری ضرور
عبادت کرو تم اس کی جناب — ہیں دنیا کی رسمیں سو چھوڑو شتاب
دعا ہے یہ محمود کی اے خدا — محمد کے رستے پہ ہم کو چلا

کیا اِس رسالہ کو میں نے تمام
خدا کو سجود اور نبی پر سلام

(مطبوعہ: پندرہ روزہ ''الاحرار'' لاہور، جلد۱۹، شمارہ۲۱، ۲۲۔ فروری ۱۹۹۰ء)

ابوطلحہ عثمان ایم اے

بھیڑیا اور شیر

کئی سال پہلے کی بات ہے جنگل کا بادشاہ شیر خان بوڑھا ہو گیا تھا۔ شکار میں آسانی کے لیے اُس نے اپنے سالار مسٹر بھیڑیے اور وزیر داخلہ مسٹر لومڑ کو خصوصی حصے دار بنایا۔ پہلے ہی دن جو شکار ہاتھ آیا وہ ایک ہرن، ایک گدھا اور ایک خرگوش تھا۔ شیر نے پوچھا تقسیم کیسے کی جائے۔ مسٹر بھیڑیے نے جھٹ سے جواب دیا جناب آپ تو بادشاہ ہیں گدھا آپ کا، خرگوش لومڑ کا اور ہرن میرا۔ بوڑھے شیر نے بھیڑیے کو ایک تھپڑ جڑ دیا اور اس کی آنکھ نکال دی۔ اب شیر لومڑ کی طرف متوجہ ہوا۔ لومڑ فوراً بولا سرکار کی رٹ سلامت رہے، خرگوش آپ کا صبح کا ناشتہ، ہرن آپ کا لنچ اور گدھا آقائے ولی نعمت کا شام کا کھانا ہے۔ شیر خان ''ارے سیانے لومڑ! تو نے یہ تقسیم کہاں سے سیکھی۔'' لومڑ نے ہاتھ باندھ کر کہا: ''بھیڑیے کی آنکھ سے عالی جاہ۔''

جنگل کے بادشاہ کا سکہ جاری رہا مگر منتقم مزاج بھیڑیے نے اپنا زخم بھلایا نہیں، اُس نے اپنی برادری کے بھیڑیوں اور دوسرے درندوں کو ساتھ ملایا اور عین اپنی معزولی کے دن شیر خان کو اس کے بھائی سمیت پنجروں میں بند کر دیا...... اڑوس پڑوس کے شیر خان کے خیر خواہ بادشاہوں نے مسٹر بھیڑیے کی منت، خوشامد کر کے اس کی جان بخشی کرائی تاہم پنجروں سے نکال کر اُن کو دیس بدر کر دیا گیا۔

اب بھیڑیے نے سات سمندر پار آل بوزنہ سے یاری لگائی۔ جنگلستان کے شریف امن پسند باسیوں کو پکڑ پکڑ کر لنگوروں کے ہاتھ فروخت کرنا شروع کر دیا۔ جو پکڑے نہ گئے انہیں اپنے بھیڑیا سالاروں اور سیانے ورکروں کے ذریعے آتش و آہن کے حوالے کر دیا۔ اس عمل پر بھی خوب ڈالر اور تحسین کے ڈونگرے ملے۔ دین دشمن کمانڈو بھیڑیے نے مشرق و مغرب کے ان گنت ملکوں کی تباہی و بربادی میں چالیس لنگوروں کا بھرپور ساتھ دیا۔ چھپن ہزار سے زائد آگ برسانے والے کارپٹ بمباروں کے ذریعے داڑھی اور پگڑی والوں کا شکار کیا گیا...... جنگلستان میں بھلے مانس باسیوں کے علاوہ بے گناہ بچوں اور بچیوں کو بھی فاسفورس بموں سے بھون دیا گیا۔ دین دشمن لنگوروں سے شاباش حاصل کرنے کے لیے بیسیوں مساجد اور مدارس کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا گیا۔ کمانڈو بھیڑیے کو روکنے والا کوئی نہ تھا۔ اس نے خود ہی اپنی خودنوشت میں لکھا ہے کہ:

''میرا احسان ''وہ'' کیسے بھلا سکتے ہیں کہ زائد از ساڑھے سات سو دہشت گرد میں نے پکڑ کر اُن کو دیے اور اس

کے بدلے انہوں نے مجھے اتنے ہزار ڈالر عطیہ کیے۔''

ان فروخت کیے گئے بے گناہ وطن کے باسیوں سے ہزاروں کا اب تک سراغ نہیں ملا اور جن کا سراغ ملا مثلاً وطن کی بیٹی ڈاکٹر عافیہ اُنہیں آزاد نہیں کرایا گیا......ڈالروں کی بارش جاری تھی کہ لنگور آقا نے منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے حکم دیا: ''ملک بدر سردار اور سردارنی کو واپس آنے کی اجازت دی جائے۔'' حکم پر عمل میں پس و پیش جاری تھی کہ سردار اور سردارنی آ دھمکے۔ منتقم مزاج مسٹر بھیڑیے کو ان رقیبوں کی واپسی اچھی نہ لگی۔ دونوں پر حملے کروائے گئے۔ سردارنی ماری گئی۔ سردار شیر خان بچ گیا۔ مسٹر بھیڑیے نے سردارنی کے شریک حیات کو شریکِ حکومت کر کے جاں بخشی کرائی۔ سردار زردار مسٹر بھیڑیے سے بھی چالاک نکلا، چند ہی دنوں میں مسٹر بھیڑیے کو بھاگتے بنی مگر قدرت کا ایک قانون ہے جو کرو گے سو بھرو گے، جو بوؤ گے سو کاٹو گے......

مسٹر بھیڑیا مکّے لہراتا ہوا واپس جنگلستان پہنچا کہ ''میں ڈرتا ورتا کسی سے نہیں۔'' اس نے چند سال پہلے اعلیٰ عدلیہ کے پانچ درج ججوں کو معزول و محبوس کیا تھا۔ اب آتے ہی اس نے ایک اعلیٰ عدالت سے ضمانت کروالی مگر جونہی ایک بڑے جج نے اس کی ضمانت منسوخ کی اسے چوکڑیاں بھول گئیں۔ اب وہ اپنے ہی تعمیر کردہ جیل خانے کی سلاخوں میں قید ہے۔ مسٹر زردار کی حکومت جا رہی ہے۔ شریف باسیوں کی گمشدگی اور اغوا بھی جاری ہے۔ ڈالروں کی برسات کا رخ صدارتی محل سے دبئی اور سوئٹزرلینڈ پھر برطانیہ اور امریکہ تک کے علاقوں کو اپنی زد میں لے چکا ہے۔ مگر اسی دوران جنگل کا بادشاہ اپنے لاؤ لشکر اور اصلی جنگل کے قانون کے ساتھ آزاد ہو چکا ہے۔ بوڑھے شیر خان کی تاج پوشی قریب ہے۔ جنگل کے سب درندے اس کی خوشامد میں لگے ہیں جب کہ سادہ و رنگین داستان والے مظلوم باسی سہمے ہوئے ہیں کہ دیکھیں اب اعلیٰ عدلیہ کا قانون غالب آتا ہے یا جنگل کا قانون ہی اپنی طوفان سامانیوں کے ساتھ برقرار رہتا ہے۔ شیر خاں کی تاج پوشی کی تقریب میں ہندوستان، ایران، شام، لبنان، افغان اور عراق کے علاوہ آل بوزنہ کے تمام جنگلات کے سفیر و مشیر شریک ہونا متوقع ہیں۔ شیر خان اگر بے گناہ جلاوطن بیٹی ڈاکٹر عافیہ اور دیگر مظلوم ہم وطنوں کو واپس لانے، مسٹر بھیڑیے سے شہید اکبر بگٹی اور مظلوم شہید بنات حفصہ کا بدلہ لینے میں کامیاب ہو گئے اور اللہ کا نام لینے والے مراکز و مدارس کو نشانہ نہ بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اپنے محسن ضیاء الحق کی طرح تعلیمی نصاب کو مقامی زبانوں میں اسلامی بنیادوں پر قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یقیناً وہ جنگلستان کو پاکستان بنا کر اپنا نام رہتی دنیا تک زندہ کر جائیں گے۔ باقی رہے نام اللہ کا۔

؎ ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے   کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

پروفیسر خالد شبیر احمد　　　　قسط: ۲۵

ورق ورق زندگی

قاضی احسان احمد شجاع آبادی یونیورسٹی میں:

اُس دن میں حیران ہو گیا جب قاضی احسان احمد شجاع آبادی مجھے ملنے کے لیے یونیورسٹی میں میرے شعبے ڈیپارٹمنٹ آف پولیٹکل سائنس میں تشریف لائے۔ اُن کے ساتھ ایک نوجوان بھی تھا جس کے منہ پر چمکدرا سیاہ داڑھی ایسے سج رہی تھی کہ جی چاہتا تھا کہ اُسے دیکھتا ہی رہے۔ میں نے حیرانی سے قاضی صاحب سے پوچھا کہ آپ کو کیسے پتہ چل گیا کہ میں آج کل یہاں زیرِ تعلیم ہوں، کہنے لگے: ''تمہاری کون سی بات مجھ سے چھپی ہوئی ہے، مجھے تو تمہارا اُسی طرح خیال رہتا ہے جس طرح میرے دوست تمہارے ابّا تمہارا خیال رکھتے ہیں۔''

میں نے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں ان کا تعارف تو کرائیے۔ کہنے لگے:

''یہ قاری نورالحق ہیں میرے داماد۔ انہوں نے بھی تمہارے شعبہ پولیٹیکل سائنس میں داخلہ لے لیا ہے اور میں اسے تمہارے سپرد کرنے آیا ہوں کہ یہ اس آب و ہوا سے آشنا ہی نہیں اور تم تو اب اسی کے ہو کے رہ گئے ہو، تم گورنمنٹ کالج میں تھے تو وہاں بھی طلبا کے لیڈر تھے اور میری رپورٹ کے مطابق یہاں یونیورسٹی میں بھی لیڈری کر رہے ہو۔ بہر حال اس نو وارد کی ذمہ داری اب تم پر ہے۔''

میں چاہتا تھا کہ قاضی صاحب کو کینٹین میں لے جاؤں اور اُن کی کچھ تواضع کروں لیکن انہوں نے معذرت کر لی اور وہ قاری نورالحق کو میرے سپرد کر کے چلے گئے۔ لیکن اس دن میں خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا کہ میرا ایک قائد جن کی عظمت کا میں بچپن ہی سے مداح تھا اور وہ مجھ سے ایسا بے تکلف انداز برتتے ہیں شاید کسی دوسرے قائد احرار نے مجھ سے ایسی بے تکلفانہ گفتگو نہ کی ہو اور پھر مجھ پر ایسے اعتماد کا مظاہرہ کیا ہو۔ میں اس وقت فائنل ایئر کا سٹوڈنٹ تھا اور قاری نورالحق صاحب سالِ اوّل یعنی ففتھ ائیر میں داخل ہوئے۔ قاضی صاحب کے فرمان کے مطابق میں نے بساط بھر کوشش کر کے اُنہیں کسی قسم کی کوئی دقت یا مشکل پیش نہ آنے دی اور ایک سال کا عرصہ ہم نے یونیورسٹی میں اکٹھا گزارا جس نے ہمیں دوستی کے محترم تعلق میں جوڑ دیا اور بعد میں جب میں ملتان آیا تو یہ دوستی مزید آگے بڑھی۔ جس کا بیان اپنے وقت پر ہو گا۔

ناصر شمسی:

یونیورسٹی میں سیکڑوں طالب علموں کے ساتھ میل جول کا موقع ملا۔ ان میں سے ہر ایک میرے لیے نیا تھا، شعبہ

کے اندر بھی تقریباً تمام طالب علم مجھ سے اچھے تعلقات رکھتے تھے۔تقریباً سبھی ساتھیوں کا رویہ میرے ساتھ مخلصانہ اور دوستانہ تھا، میں جب بھی اللہ کی اس نعمت کومحسوس کرتا تو بے ساختہ بے تحاشا اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرتا۔آغا ناصراور میاں اکبر فیصل آباد سے ہی میرے ساتھی تھے اور یہاں ہم اکٹھے ایک ہی شعبے میں زیرِتعلیم تھے، یہاں بھی وہی بے تکلفی تھی جیسی ہماری گورنمنٹ کالج میں تھی۔ یہاں پرتمام طالب علم ہماری رائے کا احترام کرتے اوراسے مانتے تھے۔لیکن سب میں سے کوئی بھی دوستی کے زمرے میں نہیں آتا تھا صرف ایک ناصر شمسی تھا جسے میں اپنا دوست کہتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں۔ میں اب کبھی کبھی یہ سوچتا ہوں کہ آخر اس میں کون سی ایسی خوبی تھی جس نے مجھے اس کی شخصیت کا گرویدہ بنالیا۔اس کا خلوص اس کی محبت اس کی وضع داری سب ہی منفرد تھے۔اندازِگفتگو ایسا تھا کہ ہم خطابت کے عاشق احراریوں کو بھی لبھالے۔ لہجے کی نرمی اورآواز میں مٹھاس، وہ بولتا تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ کوئی کانوں میں رس گھولتا چلا جارہا ہے۔ناصر شمسی کا تعلق بنیادی طور پر سیالکوٹ سے تھا۔اس کے والد سید احمد حسن شاہ صاحب نے ٹوبہ ٹیک سنگھ میں بطور ٹیچر عمر گزاری۔ وہ اپنے علاقے کے معززین میں شمار ہوتے تھے۔ہم دونوں اپنے شعبے میں جب چھٹی ہو جاتی تو گھنٹوں مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے اوروقت کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے اتنے قریب آ گئے کہ ہم نفسی اورندیمی کے سب ادبی وتاریخی استعارے اور تلمیحیں یاد آنے لگیں۔

مہر محمد فیروز ڈاہر:

مہر محمد فیروز ڈاہر جو سکول کے زمانے سے ہی میرا عزیز ترین دوست تھا۔کبھی کبھی مجھے ملنے کے لیے لاہور آجاتا۔ مجھے تسلی دیتا اور میرے ناگفتہ بہ حالات کو دیکھ کر مجھے حوصلہ دیتا تھا کہ یہ چند دن یوں گزر جائیں کہ جیسے آئے ہی نہیں تھے۔پھر وہ مجھے لے کر کسی اچھے ہوٹل میں کھانا کھلاتا اور میرے ساتھ سیر کرتے ہوئے دن گزارتا، رات کو میرے ساتھ ہی دفتر کے فرش پر سو رہتا۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ اگر وہ میری ڈھارس نہ بندھائے رکھتا تو میرا یہ کٹھن وقت مزید مشکل ہو جاتا۔

والد محترم کی بصیرت افروز تربیت:

جب میں نے بی۔اے کا امتحان پاس کیا تو والد صاحب میرے گھر بیٹھنے پر میری سرزنش کرتے اور کہتے کہ گھر کیوں بیٹھے ہو،کوئی کام تلاش کرو۔ میں کہتا کہ میں نے ملازمت نہیں کرنی تو وہ کہتے پھر کیا کرنا ہے۔میں کہتا میں نے آگے پڑھنا ہے۔ تو کہتے پھر جاؤ لاہور وہاں سے اپنا ڈیٹیل نمبر سرٹیفکیٹ لے لواور کہیں داخل ہو جاؤ۔لیکن میرے پاس اتنے پیسے نہیں کہ میں تمہیں باقاعدگی کے ساتھ کچھ ماہانہ مہیا کر سکوں۔تم نے پڑھنا بھی ہے اور کوئی نہ کوئی کام بھی کرنا ہے۔جس سے تمہارا گزارا ہو سکے،ان حالات میں میں گھر سے نکل کر لاہور داخل ہوا تھا۔اس وقت تو مجھے ان کی یہ سختی اتنی اچھی نہیں لگتی تھی لیکن بعد میں مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ اگر وہ اس وقت میرے ساتھ مجھے اس طرح نہ کرتے تو شاید میں مستقبل میں کبھی کامیاب نہ ہوتا میں لاہور دوسال

ان حالات میں پڑھتا رہا۔اور بالآخر اپنی ہمت اور اپنے عزم کو برقرار رکھتے ہوئے اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ کر رہا۔

کپتانی کا مسئلہ:

یہاں پر یہ بات بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ فائنل ائیر میں بھی جب میں پنجاب یونیورسٹی ہاکی ٹیم کا رکن بن گیا تو پنجاب یونیورسٹی ہاکی ٹیم کی کپتانی میرا استحقاق تھا۔کیونکہ سالِ اوّل یعنی فرسٹ ائیر سے ہی میں یونیورسٹی ہاکی ٹیم کے لیے منتخب ہورہا تھا۔اوراس سے پہلے سال میں یونیورسٹی ہاکی ٹیم کا سیکرٹری رہا تھا۔لیکن ہوا یہ کہ میری بجائے ایک دوسرے لڑکے منوّر کو یونیورسٹی ہاکی ٹیم کا کپتان بنادیا گیا۔میں ایسے میں بہت پریشان اور دل زدہ ہوا۔میں چاہتا تھا کہ میں اپنے حق کے لیے لڑوں لیکن شنوائی نہ ہوئی تو میں خاموش رہنے لگ گیا۔میری خاموشی میرے چچا جناب خضر تمیمی صاحب کو محسوس ہوئی۔ایک روز انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ بات کیا ہے۔میں نے تمام قصہ اُنہیں سنادیا تو کہنے لگے کہ میں اس کے خلاف عدالت میں ''رٹ'' کردیتا ہوں۔میں نے کہا کہ میں نہیں چاہتا میں عدالت تک جاؤں۔میں نے اے۔ایل کھوکھر صاحب سے ایک دفعہ پھر رابطہ کیا کہ آپ جس لڑکے منوّر کو میری جگہ کپتان بنارہے ہیں کیا یہ اس لیے ہے کہ وہ گورنمنٹ کالج لاہور کا ہی شروع سے طالب علم ہے جبکہ میں فیصل آباد سے یہاں آپ کے کالج میں آیا ہوں تو انہوں نے مجھے برملا کہہ دیا کہ ہاں وجہ یہی ہے۔اس پر میں خاموش ہوگیا اور دل کو تسلّی دی کہ کوئی بات نہیں یہ بھی برداشت کرنا پڑے گا کہ زندگی کی راہ پر ایسا بھی ہوتا ہے۔اس سال انٹر یونیورسٹی ہاکی ٹورنامنٹ کھیلنے کے لیے ہمیں سندھ کی ''جام شورو'' یونیورسٹی جانا تھا۔یہاں پر پاکستان کی تمام یونیورسٹیوں کی ہاکی ٹیموں نے جمع ہوکر ٹورنامنٹ میں شرکت کرنا تھی۔جس دن ہم لاہور سے ریل گاڑی کے ذریعے حیدرآباد روانہ ہوئے وہ لڑکا جس کو میری جگہ ناجائز طور پر پنجاب یونیورسٹی ہاکی ٹیم کا کپتان بنایا گیا تھا وقت پر ریلوے سٹیشن پر ہی نہ پہنچ پایا اور ہاکی ٹیم لاہور سے حیدرآباد کے لیے روانہ ہوگئی۔حیدرآباد سے ہم بذریعہ بس جام شورو کے لیے روانہ ہوئے۔شام کے قریب بلکہ رات کو ہماری ٹیم اپنی منزل مقصود پر پہنچی۔آرام کیا تو رات کو کھوکھر صاحب ہمارے کمرے میں تشریف لائے اور کہنے لگے کہ ٹورنامنٹ انتظامیہ نے مجھ سے رابطہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ آپ کا پہلا میچ صبح کو پشاور یونیورسٹی سے ہوگا۔اب منور تو آیا نہیں ہے اس لیے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ٹیم کی قیادت تم ہی کروگے۔ساری ٹیم سامنے بیٹھی سن رہی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ کیسے اس شخص کو یہ کہنے پر مجبور کررہا ہے کہ ٹیم کی قیادت تم ہی کروگے۔جس نے چند روز پہلے مجھے صاف کہہ دیا تھا کہ منوّر کو تم پر اس لیے ترجیح دے رہا ہوں کہ وہ شروع سے ہی ہمارے کالج یعنی گورنمنٹ کالج لاہور کا کھلاڑی ہے۔بہرحال میں نے جواب میں ان سے کہا کہ میں قیادت کروں گا بشرطیکہ آپ کپتانی کا سرٹیفکیٹ بھی مجھے ہی دیں گے۔یہ نہیں ہوگا کہ قیادت مجھ سے کروائیں اور سرٹیفکیٹ آپ پھر اسی منور کو ہی دے دیں۔اس پر انہوں نے کہا کہ نہیں قیادت بھی تم ہی کروگے اور سرٹیفکیٹ بھی تمہیں ہی ملے گا۔اور کالج کا ''رول آف آنر'' کا سرٹیفکیٹ بھی تمہارا ہی ہوگا۔چنانچہ وہ ٹورنامنٹ میری قیادت

میں ہی کھیلا گیا اور پنجاب یونیورسٹی کی ہاکی ٹیم کی کپتانی کا سرٹیفکیٹ بھی مجھے ہی ملا۔ ''ناخدا جن کا نہ ہو اُن کا خدا ہوتا ہے''

میاں زاہد سرفراز کا الیکشن (۵۹۔۱۹۵۸ء)

ہم فائنل ائیر میں تھے تو میاں زاہد سرفراز ففتھ ائیر میں ہمارے ساتھ آ ملے، وہ بھی سیاسیات کے شعبے میں داخل ہوئے۔ اُن سے پھر وہی رابطہ بحال ہو گیا جو فیصل آباد سے شروع ہوا تھا۔ جب ہم سالِ اوّل میں وہاں اکٹھے تھے۔ یونیورسٹی سٹوڈنٹ یونین کا انتخاب نزدیک آیا تو میاں زاہد کو ہم دوستوں نے کہا کہ تم اس میں حصہ لینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یہاں لاہور کے ہر کالج میں ہمارے فیصل آباد کے طالب علم موجود ہیں۔ جن کے تعاون سے ہم الیکشن جیت سکتے ہیں۔ میاں زاہد سرفراز تیار ہو گئے اور ہم نے پنجاب یونیورسٹی کی جنرل سیکرٹری شپ کے لیے باقاعدہ میاں زاہد سرفراز کے کاغذاتِ نامزدگی الیکشن کمیشن کے سامنے پیش کر دیے۔ ان کے مقابلے میں کمال اظفر صاحب تھے۔ جن کا تعلق شاید کراچی سے تھا لیکن یونیورسٹی کے شعبہ معاشیات میں زیرِ تعلیم تھے۔ شعبہ معاشیات میں بھی ہمارے فیصل آباد کے ساتھی زیرِ تعلیم تھے۔ جن میں خاص طور پر میرے قریبی دوست محمد یعقوب اور مظہر حسین شیخ قابلِ ذکر ہیں۔ لا کالج میں تو ہمارے کالج یعنی فیصل آباد کے کئی دوست تھے۔ جن میں چودھری یونس اور ان کے ساتھ کئی دوسرے ساتھی ہمارے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ تھے۔ انتخابی مہم کا آغاز بڑے زور و شور سے شروع ہوا اور وہ سب کچھ ہوا جو کہ اس زمانے کی طلبہ سیاست کی شان و شوکت تھی۔ یعنی مباحثے، گفتگوئیں، کنویسنگ وغیرہ۔ طالب علم اپنی مرضی سے ووٹ دیتے تھے۔ بہر حال یہاں پر ہمیں کامیابی ہوئی اور میاں زاہد سرفراز پنجاب یونیورسٹی کے جنرل سیکرٹری چن لیے گئے۔ کمال اظفر صاحب کو شکست ہوئی۔ اس الیکشن کا کامیابی کا سہرا فیصل آباد کے اُن طلبا کے سر تھا جو یہاں پر گورنمنٹ کالج، اسلامیہ کالج، لا کالج اور دوسرے کئی کالجوں میں اپنی تعلیم کو جاری رکھے ہوئے تھے۔ اس ساری کامیابی میں سب سے زیادہ کردار میاں اکبر، آغا ناصر، محمد یعقوب جنہوں نے بعد میں سٹیٹ بنک آف پاکستان کے گورنر بننے کا اعزاز حاصل ہوا اور مظہر حسین شیخ کے ساتھ کچھ نہ کچھ میرا بھی تھا کہ اس الیکشن میں ان تمام طلبا نے کمپین کی قیادت مجھے ہی سونپ رکھی تھی۔ بہر حال میاں زاہد سرفراز کی اس کامیابی نے پوری یونیورسٹی کے طلبا میں فیصل آباد کے طالب علموں کا مقام بلند کر دیا۔ اور ہم نے پورے جوش و خروش کے ساتھ اس فتح کا جشن منایا۔ یہ لاہور کے دو سال کے قیام کا ایک اہم انتخابی معرکہ تھا جسے سر کیا گیا۔ اور شاید اسی فتح نے میاں زاہد سرفراز کو سیاسی مستقبل کی راہ دکھائی اور وہ دو دفعہ ملک کے مرکزی وزارت تک پہنچے، ایک دفعہ وزیرِ تجارت اور پھر وزیرِ داخلہ بنے۔

شادی: (۳۰ر نومبر ۱۹۵۸ء)

امتحان قریب آ رہے تھے اور میں اپنے امتحان کے لیے فکر مند تھا کہ اچانک میرے سسرال والوں نے والد صاحب سے تقاضا شروع کر دیا کہ شادی کرو ہمیں حج کے لیے جانا ہے۔ والد صاحب نے معذرت کی مگر اُن کی معذرت

قبول نہ ہوئی اور اچانک شادی کا اہتمام کرنا پڑا۔ چنانچہ ۳۰ر نومبر ۱۹۵۸ء کو میں اپنے باراتیوں کے ساتھ فیصل آباد لال ملز سے روانہ ہوا، چنیوٹ میں نکاح ہوا، ولیمہ میں شرکت کی اور ہم دونوں شادی کے بندھن میں باندھ دیے گئے۔ اس موقع پر میرے تاثرات عجیب وغریب تھے۔ امتحان سر پر تھا اور اس سے تین چار ماہ پہلے شادی ہوگئی۔ شادی کے تیسرے دن میں اپنے گھر میں کھانا کھا رہا تھا کہ اچانک والد صاحب جو اس موقع پر شادی کرنے کے لیے بالکل تیار نہ تھے اور کچھ ناراض بھی تھے مجھے مخاطب ہوئے اور سارا غصہ یہ کہہ کر مجھ پر نکالا کہ ''تم نے اپنا مستقبل تباہ کرلیا ہے'' انہوں نے انگریزی میں کہا:

You have spoil your carrier.

یہ فقرہ مجھ پر بجلی بن کر گرا اور وہ لقمہ جو میرے منہ میں تھا ابھی حلق سے نیچے نہیں اترا تھا کہ میں نے سفر کا ارادہ کر لیا اور بیوی کو الوادع کہہ کر لاہور چلا آیا۔ آ کر میں نے اپنے چچا خضر تمیمی ایڈووکیٹ کو جو ابھی اپنے دفتر میں ہی تھے سلام کیا تو وہ مجھے دیکھ کر حیران ہوگئے کہ تم آ گئے ہو، میں نے کہا جی میں آ گیا ہوں۔ اس لیے کہ امتحان بھی تو پاس کرنا ہے۔

یہ شادی میری اپنی مرضی کی تھی سیکنڈ ائیر میں تھا تو میری منگنی ہوگئی تھی۔ ہم دونوں بچپن میں اکٹھے کھیلتے کھیلتے جوان ہوئے تو میں نے اُنہیں ہی اپنا جیون ساتھی چن لیا تھا۔ میری شادی میں میرے تمام دوستوں نے شرکت کی۔ جس میں میاں اظہر کے بڑے بھائی میاں اکبر، اشرف، ڈاکٹر یعقوب، مظہر حسین شیخ، احمد اسلم، ڈاکٹر سرفراز علی، مشتاق نسیم اور خالد محمود۔ مگر شادی کی خوشی ادھوری تھی اس لیے کہ امتحان کے فکر کی تلخی بھی اس میں شامل تھی۔ یونیورسٹی میں واپس آ کر پھر وہی روز مرّہ معمولات شروع ہوگئے اور ہم امتحان کے بالکل قریب آ گئے۔ ہمارا ایک آخری پرچہ دو حصوں پر مشتمل ہوا کرتا تھا، ایک حصہ میں انٹرویو اور دوسرا حصہ مقالہ کا تھا۔ میں نے اپنے مقالے کے جو عنوان اپنے صدر شعبہ سیاسیات ڈاکٹر فریڈز کو دے رکھا تھا۔ ''تحریکِ احرار'' تھا۔ اسے انہوں نے مسترد کر دیا اور وجہ یہ بتائی کہ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں ملک کے اندر مارشل لا نافذ ہو چکا ہے۔ اس لیے تم کسی سیاسی موضوع پر کچھ تحریر نہیں کر سکتے۔ اس کے بجائے میں نے اپنے مقالے کا عنوان تبدیل کر دیا۔ ''اسلام میں جہاد کی حقیقت'' (The Natuer of Jihad in Islam) اس مارشل لا کے نفاذ کے ساتھ ہی ہماری جماعت احرار اسلام پر پھر دوبارہ پابندی لگ گئی اور جماعت کی تنظیم نو کا جو عمل شروع ہوا تھا وہ ایک بار پھر رک کے رہ گیا۔

یونیورسٹی کے آخری امتحان:

اب دن رات امتحان کی فکر مجھے کھائے جا رہی تھی۔ ہاکی کا پیریڈ بھی اب ختم ہوگیا تھا۔ پھر میں نے ان دو سالوں میں ہاکی کھیلی، روزنامہ پاکستان ٹائمز میں ہر میچ پر میرے لیے بڑے اچھے تبصرے چھپتے رہے میں لاہور ڈسٹرکٹ ہاکی ٹیم کا بھی رکن بن گیا اور اپنے کھیل کی وجہ سے میں نے لاہور ڈویژن میں بھی اپنا مقام بنا لیا تھا۔ اب لاہور ڈویژن کی ہاکی ٹیم کے لیے ایک کیمپ میں شمولیت کرنا تھی جو میں نے نہ کی کہ اسی طرح شاید میں اپنے امتحان کی مکمل تیاری کرسکوں۔ اور اگر میں کیمپ میں

شامل رہتا تو اس کے بعد ایک رستہ پاکستان ہاکی ٹیم میں شمولیت کا مجھے مل سکتا تھا۔ لیکن میں نے اس کیمپ میں شمولیت کی بجائے امتحان کی تیاری کو فوقیت دی اور کیمپ کو چھوڑ دیا۔ امتحان شروع ہوا۔ ہر پرچہ دینے کے بعد ہم سب دوست آپس میں بیٹھتے اور پرچے پر گفتگو کرتے۔ ایک ایک کر کے پرچے ہوتے چلے گئے اور سر کا بوجھ آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا۔ ہمارے دادا جی کے ایک دوست جن کا دفتر ہمارے دفتر کے ساتھ تھا چنیوٹ کے شیخ تھے اور وہ کبھی کبھی اپنے دفتر میں آتے اور مجھے ضرور ملتے تھے۔ امتحان کے دوران بھی ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پورے تیقن سے کہا کہ بیٹے تم پاس ہو جاؤ گے۔ یہ فقرہ وہ ہر دفعہ جب مجھے ملتے تو ضرور کہتے تھے اور میں چپ کر کے سن لیا کرتا تھا۔ لیکن اس بار میں نے اُن سے پوچھ ہی لیا کہ شیخ صاحب آپ اتنے اعتماد کے ساتھ یہ فقرہ میری حوصلہ افزائی کے لیے کہتے ہیں یا اس کے علاوہ کوئی اور بات بھی آپ کے ذہن میں ہوتی ہے۔ کہنے لگے نہیں بیٹا میں محض تیری حوصلہ افزائی کے لیے نہیں کہتا بلکہ میرا مشاہدہ ہے کہ: ''جن حالات میں تم یہاں پر رہ کر پڑھ رہے ہو ایسے حالات میں رہ کر پڑھنے والوں کو میں نے کبھی فیل ہوتے نہیں دیکھا۔ لہٰذا تم بھی ضرور پاس ہو جاؤ گے۔''

اس فقرے نے مجھ میں اتنا اعتماد پیدا کر دیا کہ مجھے اپنی کامیابی سامنے نظر آنے لگی، بہر حال دن گزرتے گئے اور امتحان بھی ختم ہو گیا۔ آخری انٹرویو بھی ہو گیا تو میں واپس اپنے گھر لوٹ آیا۔

کامیابی کا خواب:

اب انتظار تھا تو فقط نتیجے کا تھا۔ ہر وقت دھیان امتحان کے نتیجے کی طرف تھا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ میرے سکول کے ہیڈ ماسٹر ملک اللہ یار صاحب مجھے اپنے طارق آباد سکول کی عمارت میں ملتے ہیں اور مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تمہارا امتحان ہو گیا ہے، میں نے کہ جی ہاں ہو گیا ہے اور میں نے اُن سے کہا کہ کیا میں اپنے امتحان میں پاس ہو جاؤں گا؟ کہنے لگے کہ ہاں تم پاس ہو جاؤ گے اور تمہاری سیکنڈ ڈویژن آئے گی نمبر بھی تمہیں بتا دیتا ہوں تقریباً ۳۸۰ کے قریب ہوں گے۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ ایف۔اے کے امتحان میں بھی مجھے بالکل اسی طرح کا خواب آیا تھا کہ ملک اللہ یار صاحب مجھے سکول کی عمارت میں ملے تھے اور انہوں نے مجھے کہا کہ: ''او نالائق کہاں آوارہ گردی کر رہے ہو۔ میں نے فوراً اس کے جواب میں کہا تھا کہ کہیں میں فیل تو نہیں ہو جاؤں گا؟ کہنے لگے میرے ہوتے ہوئے تمہیں کون فیل کر سکتا ہے۔ لیکن ایف۔اے میں تم نے یہ کیا نمبر لیے ہیں بہت تھوڑے نمبر ہیں اور واقعی ایف اے میں میرے نمبر تھوڑے تھے یعنی تھرڈ ڈویژن۔

اب کی بار جو انہی کو خواب میں دیکھا اور انہوں نے مجھے اچھے نمبروں اور سیکنڈ ڈویژن کی نوید سنائی تو مجھے یقین سا ہو گیا کہ میں ضرور پاس ہو جاؤں گا۔

امتحان کا نتیجہ:

مجھے یاد ہے کہ جس دن میرے ایم۔اے کے امتحان کا نتیجہ آنا تھا اُسی دن ہم سب اپنے لال ملز کے مالک میاں

عزیز احمد کے ساتھ سمندری روڈ ڈجکوٹ سے پہلے ایک ''ریسٹ ہاؤس'' میں پکنک منانے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ میرے والد صاحب بھی میرے ساتھ اُسی ریسٹ ہاؤس میں تھے۔ ساتھ ہی نہر تھی اور آموں سے تواضع بھی ہو رہی تھی میں نے دیکھا کہ اچانک والد صاحب غائب ہوگئے۔ میں نے ادھر اُدھر تلاش کیا تو مجھے نہ ملے۔ میں یہی سمجھا کہ وہ ایسے مواقع پر اتنے خوش نہیں ہوتے، میاں عزیز احمد کو خوش کرنے کے لیے آگئے تھے اور واپس گھر چلے گئے ہوں گے۔ لیکن میرا اندازہ غلط تھا۔ ابا جان گھر نہیں گئے تھے بلکہ کچھ دیر کے بعد مجھے دوبارہ نظر آئے ان کے ہاتھ میں ''پاکستان ٹائمز'' کا اخبار تھا۔ میں نے اُن کے چہرے پر نگاہ دوڑائی تو وہ کچھ زیادہ روشن روشن نظر آیا۔ مجھے انتہائی پیار سے اپنے پاس بلایا اور کہنے لگے کہ اخبار میں تمہارا نتیجہ آ گیا ہے۔ کیا تمہارا یہی رول نمبر ہے میں نے کہا کہ ہاں یہی رول نمبر ہے۔ کہنے لگے ''دیکھو تمہارے ۳۷۸ نمبر آئے ہیں اور تم سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہوگئے ہو۔''

مجھے انتہائی خوشی ہوئی اور فوراً میرے ذہن میں وہ خواب آیا جس میں دیکھا تھا ۳۸۰ کے قریب نمبر آئیں گے اور اچھی سیکنڈ ڈویژن ہوگی۔

مجھے پہلی بار زندگی میں اپنے والد صاحب سے شاباش ملی، انہوں نے مجھے گلے لگایا اور میرے منہ پہ بوسہ دیا اور سر پر ہاتھ بھی رکھا۔ میں اُنہیں اس خوشی کے عالم میں دیکھ کر اپنے امتحان کے پاس ہونے سے زیادہ خوش ہو رہا تھا۔ تین سو اٹھتر نمبر اچھی سیکنڈ ڈویژن تھی، تین سو پچاس سے شروع ہوتی تھی۔ جبکہ فرسٹ ڈویژن اس وقت چار سو بیس سے شروع ہوتی تھی۔ پھر مجھے والد صاحب کا وہ فقرہ یاد آیا اور میں اس کا لطف لینے لگا جو انہوں نے میرے شادی کے بعد تیسرے دن بڑے غصے میں کہا تھا کہ (You have spoil your carrier)

اگر اس وقت مجھے وہ فقرہ نہ کہتے تو شاید میں واقعی اپنا مستقبل تباہ کر لیتا۔ اسی لیے سمجھتا ہوں کہ میرے والدِ محترم اللہ اُنہیں غریقِ رحمت کرے صاحبِ بصیرت تربیت کرنے والے تھے جو بچوں کی نفسیات سے بھی آگاہ تھے۔ **جاری ہے**

☆......☆......☆

الغازی مشینری سٹور

ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں

بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

مولانا محمد مغیرہ *

لفظِ خاتم النبیین کی معنوی تحریف

اور قادیانیوں کا انکارِ ختم نبوت

قادیانی ہفت روزہ ''لاہور'' جو لاہور ہی سے شائع ہوتا ہے۔ اس میں اکثر و بیشتر قادیانیت کی تبلیغ پر مبنی مضامین آتے رہتے ہیں اور قادیانیت کا ہر طرح دفاع اس کا مشن ہے۔ اس وقت جنوری ۲۰۱۳ء، جلد: ۶۲ کا شمارہ ۳ میرے سامنے ہے جس کے صفحہ ۴ پر مظفر درانی قادیانی کا ایک مضمون بعنوان ''دل سے ہیں خدام ختم المرسلین'' چھپا ہوا ہے۔

اس میں مظفر درانی لکھتے ہیں کہ: ''آنحضرت کا ایک بے نظیر منفرد اور یکتا لقب آپ کا خاتم النبیین ہونا ہے...... ختم نبوت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ چنانچہ اس حوالہ سے بار بار احمدیوں کو موردِ الزام ٹھہرایا گیا کہ یہ ختم نبوّت پر ایمان نہیں رکھتے۔''

پھر صفحہ ۵ پر یوں لکھتے ہیں کہ: ''یہ ہرگز درست نہیں ہے بلکہ سراسر الزام ہے کہ احمدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوّت کے قائل نہیں ہیں، ختم نبوّت پر یقین تو احمدیوں کے ایمان کا لازمی حصہ، مذہب کا خلاصہ اور مغز ہے۔'' اور ایسے ہی چلتے چلتے لکھا ہے کہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام متبعین آپ کی ختمِ نبوّت کے تو بدل و جان اقراری ہیں ہاں ختمِ نبوّت کے معنوں میں فرق اختلاف ہوسکتا ہے اور ہے اور ہر زمانہ میں رہا ہے چنانچہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے اس زمانہ کے لوگوں میں اس مسئلہ پر اختلاف دیکھتے ہوئے اُن کی راہنمائی کے لیے ہدایت فرمائی۔ قولوا خاتم النبیّین و لا تقولوا لا نبی بعدی. (درمنثور)''

قارئین محترم! مذکورہ مضمون میں قادیانی مضمون نگار مظفر درانی نے کمال چالاکی کا مظاہرہ کیا ہے کہ یہ بھی کہہ دیا کہ ختمِ نبوّت پر ایمان لانا ضروری بھی ہے اور ختمِ نبوّت کے معنیٰ میں بے دلیل اختلاف بنانے کی آڑ میں اس عقیدہ کو کمزور کرنے کی بے فائدہ کوشش کر کے اسلام کے عقیدہ ختمِ نبوّت کا انکار بھی کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے کہ درانی قادیانی کی چالاکی اور دھوکہ دہی کا پردہ فاش کیا جائے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عقیدہ ختمِ نبوّت کی دینِ اسلام میں کیا حقیقت ہے نیز کیا ختمِ نبوّت کے معنیٰ میں اختلاف کی گنجائش ہے؟

قارئینِ محترم عقیدہ ختمِ نبوّت دین اسلام کے عقائد میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ ختمِ نبوّت کے معنیٰ کے اختلاف بیان کر کے اس اسلامی عقیدہ کی حیثیت کو کمزور کرنے کی کوشش کرنا قادیانیوں کی خود فریبی اور بے وقوفی ہے۔ اس طرح کی کئی کوششیں کفار کرتے چلے آئے ہیں اور کبھی اس میں کامیاب نہیں ہو سکے جو اسلام کے سچے ہونے کا اعجاز ہے۔

* ناظم تبلیغ مجلس احرار اسلام پاکستان

اس میں کوئی شک نہیں کہ لفظ ''ختم'' عربی زبان کا لفظ ہے اور عربی زبان میں اس قدر وسعت ہے کہ ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لفظ ''ختم'' کے کئی معنیٰ تو بتائے گئے مگر ختمِ نبوّت میں لفظ ''ختم'' کا کیا معنیٰ مراد لیا جاتا ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف ہی نہیں۔ ایک معنیٰ ایک مفہوم جس کو قرآن و حدیث نے جا بجا پوری شرح و بسط سے ذکر کر دیا ہے اور اسی پر پوری اُمّت محمدیہ متفق چلی آ رہی ہے اگر کوئی شخص یا کوئی گروہ اس سے انحراف کرتا ہے اور اس کا کوئی اور معنیٰ مراد لیتا ہے تو صراحتاً وہ خدا اور سول اور اُمّت محمدیہ کے متفقہ فیصلہ سے انحراف کرتا ہے اور خدا اور رسول کے فیصلہ سے انحراف ہی کفر ہے۔

اس بات کو سمجھنے کے لیے عام فہم مثال پیش خدمت ہے کہ لفظ ''صلوٰۃ'' کے کئی معنیٰ ہیں۔

۱۔ صلوٰۃ کے معنیٰ دعا بھی ہے

۲۔ صلوٰۃ کے معنیٰ رحمت بھی ہے

۳۔ صلوٰۃ کے معنیٰ استغفار بھی ہے

۴۔ صلوٰۃ کے معنیٰ رکوع و سجود والی نماز بھی ہے

جب لغت میں صلوٰۃ کے کئی معنیٰ ہیں تو اللہ کے حکم ''اقیموا الصلوٰۃ'' میں صلوٰۃ کا کیا معنیٰ کیا جائے۔ یقیناً اس جگہ خدا اور رسول کے فیصلہ اور اُمّت محمدیہ کے تواتر کے مطابق ''اقیموا الصلوٰۃ'' میں صلوٰۃ سے مراد رکوع سجود والی نماز ہے۔ اگر کوئی شخص یا کوئی گروہ صلوٰۃ کے لغوی معنیٰ کی آڑ میں کہے کہ میں اقامتِ صلوٰۃ کا قائل ہو مگر معنیٰ میں اختلاف کی گنجائش ہے اور صلوٰۃ کا معنیٰ دعا بھی کیا جا سکتا ہے لہٰذا میں دعا کا ہمیشہ اہتمام کرتا رہتا ہو۔ چنانچہ میرے اس عمل کو اقامت صلوٰۃ کے لیے کافی سمجھا جائے تو اس کی یہ بات قطعی طور پر اہلِ اسلام کے ہاں قابل قبول نہیں ہے۔ یقیناً لفظ صلوٰۃ کے کئی معنیٰ ہیں مگر ''اقیموا الصلوٰۃ'' میں صلوٰۃ کے کیا معنیٰ ہیں اس کا فیصلہ دینِ اسلام میں ہو چکا۔ اب اگر کوئی صلوٰۃ کے معنیٰ مختلف ہونے کی وجہ سے اس آیت میں کوئی اور معنیٰ کرتا ہے تو یقینی طور پر صلوٰۃ کا منکر ہی مانا جائے گا۔ ایسے ہی ختمِ نبوّت کے معنیٰ کا فیصلہ ہو چکا ہے، اس فیصلہ کو نہ ماننا اور اختلافِ معنیٰ کی آڑ میں کوئی نئی راہ نکالنا انکار ہی ہوگا۔

ختمِ نبوّت یا خاتم النبیین میں ختم کا کیا معنیٰ کیا جائے تو اس کا ایک معنیٰ لغت میں آخر بھی ہے۔ جس کو قرآن مجید کی کم و بیش ایک سو آیات میں متعین کر دیا گیا ہے جن میں سے تبرکاً صرف تین آیات پیشِ خدمت ہیں۔

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا. (الاعراف، آیت: ۱۵۸)

آپ کہہ دیں کہ اے لوگو میں تم سب کے لیے اللہ کا رسول ہوں۔

وَ مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا. (سباء، آیت: ۲۸)

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف بشیر و نذیر بنا کر۔

وَ مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ. (انبیاء، آیت: ۱۰۷)

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کی طرف رحمت بنا کر۔

ان تینوں آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں کے لیے نبی و رسول بنا کر بھیجنے کا تذکرہ ہے۔ آپ سے پہلے لوگوں کی رہنمائی کے لیے مختلف اوقات میں مختلف نبی و رسل آتے رہے مگر کچھ وقت کے لیے، خاص علاقہ، خاص قوم کے لیے۔

ایک نبی کے بعد دوسرا، یہ سلسلہ برابر حضرت آدم علیہ السلام سے چلا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کسی خاص قوم، خاص علاقہ یا خاص زمانہ کے لیے نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام انسانوں اور تمام زمانوں کے لیے ہے۔ نبوت چونکہ رحمتِ الٰہی ہے اور ہر نبی انسانوں کے لیے اللہ کی رحمت کا مظہر ہوا کرتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی و رسول اور اللہ کی رحمت ہیں، تو یہ رحمت بھی تمام جہانوں کے لیے ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام انسانیت، تمام جہانوں کے لیے ہے تو پھر اب اور نبوت کی کسے ضرورت ہے تو ان آیات نے خاتم النبیین اور ختمِ نبوّت میں خاتم اور ختم کا معنٰی متعین کر دیا۔ ایسے ہی احادیث کثیرہ کم و بیش دوصد احادیثِ رسول بھی خاتم النبیین اور ختمِ نبوّت میں خاتم اور ختم کے لفظ کا معنٰی آخر ہی متعین کر رہی ہیں۔

۱۔　حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تمام انبیاء پر چھ طریقوں سے فضیلت دی گئی ہے (ان میں یہ بھی ہے کہ) **ارسلت الی الخلق کافۃ و ختم بی النبییون** (مسلم، فی الفضائل)

ترجمہ:　مجھے تمام مخلوق کی طرف (نبی و رسول بنا کر) بھیجا گیا ہے اور میرے ساتھ (سلسلہ) انبیاء کو ختم کر دیا گیا ہے۔

۲۔　حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **کانت بنوا اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی و انہ لا نبی بعدی و سیکون خلفاء فیکثرون.** (بخاری فی کتاب احادیث الانبیاء)

ترجمہ:　بنی اسرائیل کی سیاست انبیا کیا کرتے تھے جب کوئی نبی فوت ہو جاتا تو اس کے بعد (اللہ کی طرف سے) کوئی اور نبی آ جاتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں البتہ خلفا بہت ہوں گے۔

۳۔　حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ان الرسالۃ و النبوّۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی** (ترمذی)

ترجمہ:　بے شک رسالت اور نبوت ختم ہو گئے میرے بعد کوئی رسول نہیں اور نہ نبی۔

۴۔　**انا خاتم النبیین لا نبی بعدی.** (مسلم)

ترجمہ:　میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

یہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن میں صاف لفظوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق فرمایا کہ میں تمام مخلوق کی طرف مبعوث ہوا ہوں، آپ کے وجود کے ساتھ سلسلۂ نبوّت ختم کر دیا گیا ہے اور ایک بڑی قوم بنی اسرائیل کا تذکرہ فرما کر آپ نے فرمایا کہ اُن کی سیاست انبیا علیہم السلام فرمایا کرتے تھے۔ ایک نبی فوت ہوتا تو دوسرا اس کے بعد مبعوث ہو جاتا یوں ان کا نظام چلتا رہا مگر میرے بعد اور کوئی نبی نہیں (میری اُمّت کا نظام چلانے کے لیے) بہت سے خلفا ہوں گے،

(نبوّت نہیں) میں خاتم النبیین ہو اور خاتم النبیین کی وضاحت لا نبی بعدی کے لفظوں سے فرمائی تو قرآن مجید کی طرح احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی خاتم النبیین اور ختمِ نبوّت میں لفظ خاتم اور ختم کے معنیٰ آخر ہونے کا تعین ہو چکا ہے۔

قارئین محترم! دین اسلام کی اساس قرآن وحدیث ہے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں مختصر سی تفصیل آپ کے سامنے آ چکی کہ خاتم النبیین اور ختمِ نبوّت میں خاتم اور ختم کے معنیٰ آخر ہونا متعین ہیں۔ اب قرآن وحدیث کے بعد کسی اور کی کیا ضرورت ہے جس کا سہارا لینا دینِ اسلام میں کوئی معنیٰ رکھتا ہو۔

پوری اُمّت محمدیہ اسی روشنی میں چل رہی ہے اور اسی روشنی کو ہی اپنائے ہوئے ہے اور اسی روشنی کو اُمّت کے تمام طبقات نے اپنے بعد آنے والوں میں منتقل کیا ہے۔ اصحابِ رسول، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، مفسرین، محدثین اور صوفیا کرام سبھی اس پر متفق ہیں کہ اس جگہ اس کا معنیٰ آخر ہی ہے۔ اُمّت کا ایک مقدس طبقہ مفسرین کا جنھوں نے قرآن مجید کی تفسیری خدمت کی ہے جن کے سرخیل اللہ کے آخری رسول کے مایہ ناز صحابی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔ سلسلہ مفسرین کے ذریعہ یہ روشنی ہمارے تک کسی شکل میں پہنچی چند مفسرین کے حوالہ جات بھی پیش خدمت ہیں۔

خاتم النبیین......ختم اللّٰہ بہ النبیین فلا یکون نبی بعدہٗ (تفسیر ابن عباس)

ختم کر دیا اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبیوں کو آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

ختم اللّٰہ النبیین بمحمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم و کان آخر من بعث. (درمنثور)

ختم کر دیا اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ کے ساتھ اور تھے آپ آخری (نبی ہیں) جو بھیجے گئے۔

الذی ختم النبوّۃ فطبع علیھا فلا تفتح لاحد بعدہٗ الی قیام الساعۃ. (طبری)

جس پر نبوت کو ختم دیا گیا پس مہر کر دی گئی اس پر (Sealed) نہیں کھولی جائے گی کسی ایک کے لیے آپ کے بعد قیامت تک۔

آخرھم الذی ختمھم او ختموا بہ. (بیضاوی)

ان (نبیوں) کا آخر جس نے ان (نبیوں) کو ختم کر دیا۔ یا (انبیاء) ختم کیے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔

فلا یکون لہ ابن رجل بعدہٗ یکون نبیا. (جلالین)

پس نہیں اس کے لیے کسی آدمی کا بیٹا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کہ وہ نبی ہو۔

ای لم یجئی نبی بعدہٗ. (ایسر التفاسیر)

یعنی نہیں آئے گا آپ کے بعد نبی نہیں آئے گا۔

ایسے ہی بعض مفسرین نے خاتم کا معنیٰ مہر بھی کیا ہے تو پھر خاتم النبیین کا معنیٰ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں پر مہر ہیں اور دنیا کا ہر عقل منداس بات سے واقف ہے کہ مہر کسی دستاویز کے آخر میں لگائی جاتی ہے اور مہر لگنے کے بعد اس دستاویز میں کوئی چیز نہ تو شامل کی جا سکتی ہے اور نہ ہی نکالی جا سکتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کے سلسلہ کی دستاویز پر مہر ہیں، آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس سلسلۂ نبوّت کی دستاویز میں کوئی شامل کیا جاسکتا ہے نہ نکالا جاسکتا ہے تو اس معنیٰ کے اعتبار سے بھی آپ آخر ہی ہوئے، خاتم کا معنیٰ مہر کرنا اور خاتم کا معنیٰ آخر کرنا ایک ہی ہوا۔

یہ چند معروف تفسیروں سے خاتم کا معنیٰ آخر ہونا قارئین کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے جبکہ ہم پوری تحدّی اور چیلنج سے کہتے ہیں کہ اُمّت محمدیہ کا کوئی مفسر خاتم کا ایسا معنیٰ کرتے نظر نہیں آئے گا جس میں اجرائے نبوّت کا کوئی شائبہ بھی ہو۔ حتیٰ کہ اُمّت محمدیہ کے ایک معروف مفسر امام ابن کثیرؒ نے آیت خاتم النبیین کے تحت لکھا کہ ''**فھذہ الآیۃ نص علی انہ لا نبی بعدہ و اذا کان لا نبی بعدہ فلا رسول بعدہ بطریق الاولیٰ**.

ترجمہ:　　یہ آیت نص صریح ہے اس بات میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا اور جب آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوا تو رسول بدرجہ اولیٰ نہ ہوگا۔

نیز امام غزالیؒ اپنی کتاب الاقتصاد میں اس آیت کے تحت یوں تحریر فرماتے ہیں:

ان الامّۃ قد فھمت من ھذا اللفظ انہ قد افھم عدم نبی بعدہ ابدا و عدم رسول بعدہٗ ابدا و انہ لیس فیہ تاویل و لا تخصیص.

(تحقیق اُمّت نے اس لفظ خاتم النبیین سے یہی سمجھا ہے کہ یہ آیت بتلا رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمیشہ ہمیشہ نہ کوئی نبی ہے اور نہ رسول، اس آیت میں نہ کوئی تاویل ہے نہ کوئی تخصیص) تو اللہ کے فرمان اور فرامین رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خاتم کا معنیٰ آخر ہونا متعین ہوگیا اور اس پر پوری اُمّت محمدیہ متفق ہے تو پھر کوئی آزاد خیال قادیانی ہو یا کوئی اور اس متعینہ معنیٰ کو کسی اعتبار سے چھوڑتا ہے اور لغت کا بزعمِ خویش سہارا لے کر کوئی اور معنیٰ کرنے کی جسارت کرتا ہے تو اسے خاتم النبیین، ختمِ نبوّت کا منکر ہی یقین کیا جائے گا۔ اور کسی دوسرے معنیٰ کے پردہ میں چھپنے نہیں دیا جائے گا۔

قارئین محترم! خاتم اور ختم کے معنیٰ کی اس مختصر تفصیل کے بعد اب آیئے مظفر درانی قادیانی کے اس کہنے کی طرف کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بے نظیر اور یکتا لقب آپ کا خاتم النبیین ہونا ہے...... ختمِ نبوّت پر ایمان لانا ضروری ہے...... پس یہ ہرگز درست نہیں کہ بلکہ سراسر الزام ہے کہ احمدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کے قائل نہیں، ختمِ نبوّت پر یقین احمدیوں کے ایمان کا حصہ مذہب کا خلاصہ اور مغز ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام متبعین آپ کی ختمِ نبوّت کے تو دل و جان اقراری ہیں ہاں ختمِ نبوّت کے معنوں میں فرق اور اختلاف ہوسکتا ہے اور ہے اور ہر زمانہ میں رہا ہے۔''

یہی وہ چالاکی اور دھوکہ دہی تھی جس کا پردہ فاش کرنا ضروری تھا کہ ختم اور خاتم کا لفظی معنیٰ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کردیا اور اس پر پوری اُمّت محمدیہ کا تواتر ہے تو پھر مظفر درانی قادیانی کا کہنا کہ:

''ختمِ نبوّت کے معنوں میں فرق اختلاف ہوسکتا ہے اور ہے اور ہر زمانہ میں رہا ہے۔''

دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

پوری اُمّت محمدیہ میں کوئی صحابی، تابعین، محدثین ومفسرین غرض اُمّت محمدیہ کے تمام طبقات میں سے کوئی ایک شخص پیش کر دیا جائے جو خاتم النبیین کے معنیٰ آخر کے علاوہ کچھ اور کر رہا ہو؟

ہے کسی قادیانی میں جراءت؟ نہیں یقیناً نہیں تو پھر درانی قادیانی بتائیں کہ قادیانی ختم نبوّت کے منکر نہیں اور انکار کس کو کہتے ہیں۔ باقی رہا مظفر درانی کا قول عائشہ رضی اللہ عنہا کو پیش کرنا کہ: ''قولوا خاتم النبیین و لا تقولوا لا نبی بعدی.'' (درمنثور)

اس پر چند باتیں پیشِ خدمت ہیں۔

۱۔　مظفر درانی کے علم میں ہونا چاہیے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح حدیث ان الفاظ میں موجود ہے۔

عن عائشة رضی اللّٰه عنها عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلّم انه قال لا یبقٰی بعدہٗ من النبوّة شیئی الا المبشرات قالوا یا رسول اللّٰه و ماالمبشرات قال الرؤیا الصالحة یراها المسلم او تری له. (کنز العمال بروایت خطیب، جلد:، ص:۳۳)

ترجمہ:　سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے بعد نبوت سے کچھ بھی باقی نہیں مگر مبشرات (باقی ہیں) لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مبشرات کیا ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھے خواب ہیں جو آدمی دیکھتا ہے یا کوئی اور اس کے لیے دیکھتا ہے۔

اس حدیث صحیح کے مطابق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانتی تھیں۔ یہ روایت پوری سند کے ساتھ موجود ہے جبکہ مظفر دارنی نے جس قول کا سہارا لیا ہے وہ مجہول الاسناد ہے اس کی کوئی سند کسی کتاب میں مذکور نہیں۔ اور ایک مجہول الاسناد قول کو صحیح حدیث کے مقابلہ میں کیسے قبول کیا جا سکتا ہے۔

دین اسلام کی ہر بات کا دارومدار اس کی سند پر ہے اگر یہ سلسلہ سند کا نہ ہوتا تو دین میں کیا کچھ داخل نہ کر دیا جاتا کہ اصل دین کا حلیہ ہی بگڑ جاتا۔ سند ہی دین کی ہر بات کی حفاظت کی کڑی ہے اور اسی بات کو سیدنا عبداللہ ابن مبارکؒ نے یوں بیان فرمایا کہ:

الاسناد من الدین و لو لا الاسناد لقال من شاء. (مسلم، جلد: اوّل، ص:۱۲)

ترجمہ:　اسناد کا ہونا دین سے ہے اگر سند نہ ہو تو کہے جو چاہے۔

مظفر درانی قادیانی اپنے مضمون میں پیش کردہ قول عائشہ رضی اللہ عنہ کی سند دنیا اسلام کے ذخیرہ کتب سے ڈھونڈ لائیں مگر ان کو کہیں بھی اس کی سند نہیں مل سکے گی۔ پھر اپنے قادیانی مؤقف پر اس کا سہارا لینا کہاں کی عقل مندی اور دیانت داری ہے۔

قارئین محترم! مذکورہ پیش کردہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب قولِ بے سند کی طرح اُمّت محمدیہ کے کئی علما سے منسوب بعض تحریریں قطع و برید کر کے قادیانی عوام کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں، ان سے ہوشیار رہیے۔ اُمّتِ محمدیہ کا کوئی ایک فرد بھی نہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کا قائل ہو، پوری اُمّتِ محمدیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری نبی مانتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر استقامت نصیب فرمائے۔ آمین

ادارہ

اخبار الاحرار

عبداللطیف خالد چیمہ کالاہور میں مختلف اجتماعات سے خطاب

لاہور (۳ رمئی) مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے مسجد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ شیرازی ٹاؤن لاہور میں نماز جمعتہ المبارک کے اجتماع میں ''عصر حاضر میں تحفظ ختم نبوت کے تقاضے'' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ سیاسی جماعتوں کو حقیقی بنیادوں پر اس بات کی ضمانت دینی چاہیے کہ دستوری تقاضوں کے مطابق وہ اسمبلی کے اندر اور باہر عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور 1974ء والی قرار دادِ اقلیت کے دفاع کے لئے اپنا کردار ادا کرتی رہیں گی ،انہوں نے کہا کہ پیپلز پارٹی ،(ن) لیگ، تحریک انصاف ،ایم کیو ایم اور اے این پی کو یاد رکھنا چاہیے کہ لاہوری وقادیانی مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے پیچھے ہزاروں شہداءِ ختم نبوت نے اپنا مقدس خون پیش کیا اور اُمت نے طویل قربانیاں دی ہیں ،انہوں نے کہا کہ بعض اعلیٰ سرکاری عہدوں پر مسلط قادیانی ملک وملت کے خلاف گھناؤنی سازشوں میں مصروف ہیں اور بعض سیاسی قائدین قادیانیوں کو پرموٹ کررہے ہیں، بعدازاں ''یوم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ'' کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ خلیفہ بلافصل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فتنہ ارتداد مسیلمہ کذاب کا قلع قمع کر کے تحفظ ختم نبوت کا دفاع کیا، آج پھر دجالی فتنہ ارتدادِ مرزائیہ سر اُٹھا رہا ہے۔

اقلیت کالفظ اور نواز شریف!

چیچہ وطنی (۱۰ رمئی) تحریک ختم نبوت کے ممتاز رہنما اور مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے امیر مرکزیہ سید عطاء المہیمن بخاری اور سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا ہے کہ مسلم لیگ (ن) کے قائد میاں نواز شریف کا کہنا کہ ''لغت میں اقلیت کا لفظ مجھے پسند نہیں'' سے دین بیزاری اور قادیانیت نوازی کی بو آتی ہے انہیں ہوش کے ناخن لینے چاہیں ،انہوں نے کہا کہ بانی پاکستان مسٹر محمد علی جناح نے تو اقلیت کا لفظ بولا بھی اور اقلیتوں بارے بہت کچھ کہا۔ نہ جانے نواز شریف کو کیا ہو گیا اور وہ کیوں سیکولرازم کا شکار ہوتے چلے جارہے ہیں، انہوں نے کہا کہ دیگر سیاسی جماعتوں کی طرح (ن) لیگ میں بھی قادیانی ایلیمنٹ اثر انداز ہونے کی کوشش کررہا ہے نواز شریف سمیت تمام سیاستدان کان کے نہیں دل کے دروازے کھول کر سن لیں کہ لاہوری وقادیانی مرزائی قرآن وسنت، اجماعِ اُمت اور 1973ء کے آئین کی رو سے دائرہ اسلام سے خارج ہیں، سیاسی قائدین کی بھول ہے کہ وہ غیر مسلم یا اقلیت کا لفظ لغت یا آئین سے خارج کروالیں گے، انہوں نے مطالبہ کیا کہ نواز شریف یہ جملہ واپس لیں اور قادیانیوں کو اپنا بھائی کہنا ترک کردیں۔

مجلس احرار اسلام تلہ گنگ کا انتخاب

(تلہ گنگ) مجلس احرار اسلام تلہ گنگ کے انتخابی اجلاس منعقدہ مسجد سیّدنا ابوبکر صدیق میں حاجی ماسٹر غلام یٰسین کو صدر، حاجی چودھری عبدالرزاق ناظم، حاجی غلام شبیر نائب ناظم اور شیخ محمد فہیم اصغر کو بالاتفاق ناظم نشریات منتخب کرلیا گیا۔ جبکہ

مجلس احرارِاسلام تلہ گنگ کے نومنتخب ارکانِ شوریٰ میں خالد فاروق، لالہ شیر خان، مستری محمد شفیق، محمود الحسن، احمد نواز اور چودھری عنایت اللہ شامل ہیں۔ علاوہ ازیں مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن کے طور پر ڈاکٹر محمد عمر فاروق کو منتخب کر لیا گیا ہے۔

چناب نگر میں قادیانی ڈاکوؤں کی ڈاکہ زنی

چناب نگر (۲۳رمئی) مختلف دینی جماعتوں کے قائدین اور مذہبی رہنماؤں نے کہا ہے کہ لالیاں بنک ڈکیتی میں ہلاک ہونے والے قادیانی ڈاکو عمران ساکن موضع چناب نگر کی خطرناک ترین کاروائی پر پردہ ڈالنے کی بجائے اصل ملزمان کا سراغ لگا کر نشانِ عبرت بنایا جائے۔ مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے امیر مرکزیہ سید عطاء المہیمن بخاری، سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ اور مولانا محمد مغیرہ، انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ پاکستان کے سربراہ مولانا محمد الیاس چنیوٹی (ایم پی اے)، قاری شبیر احمد عثمانی، مولانا زاہد محمود قاسمی اور کئی دیگر رہنماؤں نے مطالبہ کیا ہے کہ قادیانی مقتول ڈاکو کی اس واردات کا سراغ لگایا جائے، انہوں نے کہا کہ ہم ایک عرصے سے یہ کہتے چلے آرہے ہیں قادیانی جماعت ملک میں دہشت گردی کی وارداتوں میں ملوث ہے اور چناب نگر (ربوہ) ان کا مرکز ہے اگر ربوہ میں قادیانی مراکز اور دہشت گرد تنظیموں کے دفاتر کی تلاشی لی جائے تو بے تحاشا ناجائز اور خطرناک اسلحہ برآمد ہوگا، علاوہ ازیں متحدہ تحریک ختم نبوت رابطہ کمیٹی پاکستان پہلے ہی مطالبہ کر چکی ہے کہ اس واقعہ کی اعلیٰ سطحی تحقیقات کرائی جائیں۔

مسافرانِ آخرت

● **حاجی محمد ثقلین رحمۃ اللہ علیہ:** مجلس احرارِ اسلام ملتان کے سابق ناظم اور مدرسہ معاذ کے مہتمم حاجی محمد ثقلین کھیڑا، ۳ر رجب ۱۴۳۴ھ، ۱۴رمئی ۲۰۱۳ء بروز منگل مکہ مکرمہ میں انتقال کر گئے اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم گزشتہ پچیس برس سے مجلس احرارِ اسلام سے وابستہ تھے۔ ابن امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات سن کر دینی ذوق سے سرشار ہوئے، عالمِ دین نہ تھے لیکن علما کی صحبت نے دینی رنگ میں رنگ دیا۔ اپنے علاقے اور اپنی قوم کے معروف زمیندار تھے۔ اپنی زمین پر ذاتی خرچ سے حفظِ قرآن کریم کا مدرسہ قائم کیا۔ بچوں کو دین پڑھایا اور دین والوں سے جوڑ دیا۔ وہ خود بہترین واعظ اور مقرر تھے۔ علماحق کی کتابوں کا مطالعہ کرتے، سیرت طیبہ اور سیرت صحابہ کے واقعات اپنی تقریروں میں بیان کرتے اور بدعات و رسومات کی تردید کرتے۔ وہ علاقے بھر میں ہر دل عزیز تھے۔ تبلیغی و اصلاحی جلسوں میں اپنی جیب سے خرچ کر کے جاتے اور منتظمین جلسہ کو چندہ دے کر آتے۔ مجلس احرارِ اسلام کے انتہائی مخلص اور وفادار کارکن تھے۔ سالانہ تحفظ ختمِ نبوّت کانفرنس چناب نگر کے لیے ملتان سے جانے والے قافلے کا انتظام برس ہا برس سے انہوں نے اپنے ذمے لیا ہوا تھا۔ اس طرح ملتان کے اجتماعاتِ احرار میں بھی باقاعدگی کے ساتھ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ شریک ہوتے۔ ۶رمئی ۲۰۱۳ء کو اپنی بیٹیوں اور داماد کے ساتھ عمرہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ۷رمئی کو عمرہ کیا اور ۸رمئی کو شدید بیمار ہونے پر مکہ مکرمہ کے ہسپتال میں داخل کرا دیے گئے۔ ۳ر رجب ۱۴۳۴ھ، ۱۴رمئی ۲۰۱۳ء بروز منگل انتقال کر گئے۔ ۱۵رمئی کو مکہ مکرمہ میں ہی آسودۂ خاک ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، اُن کی بیوہ، بیٹوں، بیٹیوں، بوڑھی والدہ اور تمام لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

● **ہمشیر مرحومہ مولانا عزیز الرحمٰن خورشید:** ہمارے کرم فرما مولانا عزیز الرحمٰن خورشید (جامع مسجد فاروقیہ ملک وال) مولانا حافظ

عبدالرحمٰن علوی (خطیب جامع مسجد گلشن آباد، راولپنڈی) اور مولانا سعید الرحمٰن علوی رحمۃ اللہ علیہ کی چھوٹی ہمشیر گزشتہ ماہ انتقال کر گئیں۔ مرحومہ قدیم احرار رہنما حضرت مولانا محمد رمضان رحمۃ اللہ علیہ (راولپنڈی) کی بیٹی تھیں، حافظۂ قرآن اور نہایت صالحہ خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے۔ آمین

● پروفیسر محمد الیاس میراں پوری کی جواں سال بھانجی گزشتہ ماہ انتقال کر گئی۔

● میلسی کے سینئر صحافی حاجی غلام مصطفیٰ عجمی کی ہمشیر محترمہ، مولانا عبدالمجید الہ آبادی کی اہلیہ، جامعہ خیر العلوم ٹھل حمزہ کے مہتمم مولانا بشیر احمد الہ آبادی، قاری نذیر احمد الہ آبادی کی والدہ ماجدہ، شفیق الرحمٰن الہ آبادی کی پھوپھی صاحبہ ۵ رمئی ۲۰۱۳ء کو الہ آباد میلسی میں انتقال کر گئیں۔

● دفتر احرار اور دارالعلوم ختمِ نبوت چیچہ وطنی کے قدیم خادم بھائی محمد رمضان کے چھوٹے بھائی عبدالرحمٰن ۲ رمئی کو انتقال فرما گئے۔

● ساہیوال میں ہمارے کرم فرما اور تحفظِ ختمِ نبوّت کے محاذ کے کارکن شیخ محمد اکرم گزشتہ دنوں انتقال فرما گئے۔

● **والدہ مرحومہ قاری آصف:** مجلس احرارِ اسلام ملتان کے مخلص کارکن قاری محمد آصف کی والدہ ماجدہ انتقال: ۲۴ رمئی ۲۰۱۳ء

● **محمد عمر مرحوم بن محمد جامی:** مجلس احرار اسلام رحیم یار خان کے قدیم کارکن جناب صوفی محمد اسحٰق کے پوتے اور مولوی محمد جامی (بستی مولویان) کے اکلوتے فرزند محمد عمر مرحوم، ۱۹ رمئی کی درمیانی شب ایک دیہاتی مدرسہ میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے کرتے مسجد میں ہی سو گئے، رات کو تقریباً ۳ بجے سانپ نے ڈس لیا۔ اٹھ کر طلبا اور استاد کو بیدار کر کے بتایا، استاد نے فوری طور پر گھر بستی مولویان پہنچا دیا، پھر انہیں علاج کے لیے ہسپتال لے جایا گیا لیکن سانپ کا زہر سرایت کر گیا اور کوئی علاج کارگر نہ ہوا۔ اُن کے جنازے میں علاقہ کے دینی وسیاسی حلقہ کے حضرات نے کثرت سے شرکت کی۔

● **مجلس احرارِ اسلام کے رہنما حافظ کریم اللہ:** ظاہر پیر (رحیم یار خان) کے چچا احمد علی مرحوم ۱۹ رمئی کو انتقال کر گئے۔

● **بنت مرحومہ چودھری محمد ارشد مہدی:** گجرات میں ہمارے نہایت کرم فرما، مسجد احرار اور مدرسہ ختم نبوت کے سرپرست ومعاون جناب چودھری محمد ارشد مہدی کی بیٹی ۲۵ رمئی کو اچانک مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئیں۔

اللہ تعالیٰ تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے، حسنات قبول فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔ پسماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازے۔ (آمین) قارئین سے درخواست ہے کہ ایصال ثواب اور دعاءِ مغفرت کا خصوصی اہتمام فرمائیں (ادارہ)

ماہانہ مجلس ذکر واصلاحی بیان

27 جون 2013ء
جمعرات بعد نماز مغرب

ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
امیر مجلس احرار اسلام پاکستان

دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان

الداعی سید محمد کفیل بخاری ناظم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان 061-4511961

بیاد مجدد بنی ہاشم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ —— امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ معمورہ

بانی: سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ
قائم شدہ: 28 نومبر 1961ء

دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان

خصوصیات

★ الحمدللہ مدرسہ معمورہ اپنے تعلیمی و فکری سفر میں ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے
★ حفظ و ناظرہ قرآن اور درسِ نظامی میں درجہ متوسطہ سے درجہ مشکوٰۃ شریف تک داخلے
★ دارالافتاء کا قیام ★ صرف و نحو کا، ماہر اساتذہ کی نگرانی میں اجراء
★ علمی، فکری، اخلاقی اور روحانی تربیت ★ تقریر و تحریر کی تربیت ★ دارالمطالعہ کی سہولت
★ ماہانہ مجلس ذکر ★ سالانہ ختم نبوت کورس ★ طالبات کے لیے جامعہ بستانِ عائشہ میں حفظ و ناظرہ قرآن، درسِ نظامی اور پرائمری، مڈل شعبوں میں تعلیم جاری ہے

تعمیری منصوبے

• وسیع بیسمنٹ ہال • دارالقرآن • دارالحدیث • دارالمطالعہ

اور دارالاقامہ کے لیے 24 کمروں پر مشتمل دومنزلہ عمارت کی تعمیر شروع کی جارہی ہے۔
تخمینہ لاگت بیسمنٹ ہال (20,00,000) بیس لاکھ روپے، لاگت فی کمرہ چار لاکھ روپے ہے
تخمینہ لاگت درس گاہیں، ہاسٹل، لائبریری، مطبخ (1,00,00,000) ایک کروڑ روپے
صدقہ جاریہ میں حصہ لیں اور نقد و سامانِ تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون فرما کر اجر حاصل کریں۔
نیز طلباء کی ضروریات کے لیے زکوٰۃ و عشر، صدقات اور عطیات سے تعاون فرمائیں۔

ترسیل زر
بذریعہ بینک: چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 37102053 یو بی ایل۔ ایم ڈی اے چوک ملتان
بذریعہ آن لائن: 0278-37102053

رابطہ
061 - 4511961
0300-6326621
majlisahrar@yahoo.com
majlisahrar@hotmail.com

الداعی الی الخیر: ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری
مہتمم مدرسہ معمورہ ملتان

آیئے! اللہ تعالیٰ سے دعا کے ساتھ سود اور سودی قرض کے خلاف جنگ کا آغاز کریں!

ادائیگی قرض کی دعائیں

۱) ...... حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غلام نے عرض کیا میں اپنے آقا کو رقم ادا کر کے جلدی آزادی چاہتا ہوں۔ آپ میری مدد فرمائیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں تجھے دو کلمے سکھلا دیتا ہوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھلائے تھے۔ اگر تجھ پر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہوگا اللہ تعالیٰ ادا کر دے گا۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِىْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِىْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔

''الٰہی! حاجتیں پوری کر میری حلال روزی سے اور بچا حرام سے اور بے پروا کر دے مجھ کو اپنے فضل کے ساتھ اپنے ماسوا سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

۲) ...... حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مقروض ہو گیا تھا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں وہ کلام سکھلا دیتا ہوں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تیرا غم دور اور قرض ادا کر دے گا، صبح و شام یہ دعا پڑھا کرو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ۔

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں فکر و غم سے اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں ناتوانی اور سستی سے اور بچاؤ چاہتا ہوں آپکے ساتھ بخل اور بزدلی سے اور پناہ میں آتا ہوں آپ کی قرض کے غلبے اور لوگوں کے سخت دباؤ سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

مرتبہ مولانا محمد امین معلم اسلامیات Tel:041-8814908

دعاؤں کے طالب

CARE PHARMACY
کیئر فارمیسی
Trusted Medicine Super Stores

Head Office: Canal View, Lahore

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ! فیصل آباد میں 9 برانچز آپ کی خدمت کیلئے 24 گھنٹے کھلی ہیں۔